إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

حصّہ دوم

کلّیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

باہتمام بابو بشمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد میں چھپا

دوم ایڈیشن

سنہ ۱۹۱۶ع

قیمت معہ خرچہ روانگی عہ

انڈکس

مضمون	صفحہ
غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی	۱ — ۵۰
ظرافت معہ ضمیمہ	۵۱ — ۶۸
متفرقات	۶۹ — ۹۲
ضمیمہ غزلیات	۹۳ — ۹۸
متعلق امور خاص	۹۹ ۱۰۰
قطعات و مثنویات	۱۰۱ — ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم
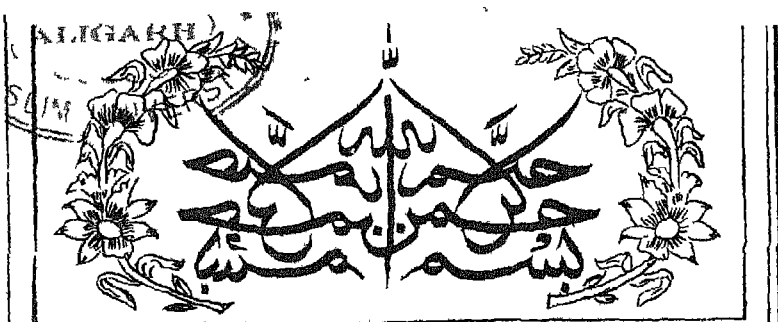
ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

دل کو جو پہونچائے ایذا وہ نہیں ہے اہلِ دل
ظلم کا باعث جو ہو درد آشنا کیونکر ہوا

طالبِ دنیا کو اکبر کسطرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
اب فکرِ آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

اِسنے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتوں کا
یا اسے خوب سمجھا یا اُسنے خوب دیکھا

نامِ خدا کو اکثر زیبِ زباں تو پایا
عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا
کچھ بچا ہی نہیں میرے لئے جنت کے سوا

ہر ارادے میں نظر آتی ہے اک صورتِ یاس
شغل اب کچھ بھی نہیں فسخِ عزیمت کے سوا

اسکو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش
میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا

سکھ ملا جسکو زمانے میں مبارک ہو اُسے
ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا

مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر
اب اُٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا

عکس دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں
دل میں اُتری نہ کوئی شے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگِ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا
یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

غمِ دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

تمھیں دیکھ حسن کے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ
نہ یہ ہوتی چشمِ نرگس نہ یہ گل کا گوش ہوتا

دل دیں ہیں سب کے صدقے جو وہ خود نما بناتے
کوئی زندہ ہی نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا

نہ ابھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے
کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسن نظامی اکبر کا کلام سن کے بولے
میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

نہ کہو کہ شمع سے پروانہ دور ہی اچھا
اگر ہے عشق تو قرب حضور ہی اچھا

لبھا لیا مجھے اے شیخ چشمِ ساقی نے
غرور زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

ہزار ہوش ہیں قربان ایسے جلوے پر
جناب حضرتِ موسیٰ کو طور ہی اچھا

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز
یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

دلِ شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

وہ مے نہیں رہی نہ وہ پیمانہ رہ گیا
دنیا میں بزمِ جم کا اک افسانہ رہ گیا

غائب ہوئی پری دلِ دیوانہ رہ گیا
افسوس شمع بجھ گئی پروانہ رہ گیا

سرور و نور و وجد و حال ہو جائیگا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کرے گا دن بھی کی ہے جس نے شب پیدا

فرقت یار میں جینے کا سہارا کیا تھا
خوب تھی موت سوا موت کے چارا کیا تھا

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخلِ گور
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا
اب گرد رہ گئی ہے یہ میلا نکل گیا

اب مادے کے چھاننے والے ہی رہ گئے
روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آگئی
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا

میں خوش ہوا جو آپ نے دیں مجھ کو گالیاں
اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

کیا دل لگاؤں موسمِ گل سے میں اے صبا
اس کو بھی کچھ ثبات ہے۔ آیا نکل گیا

بازارِ مغربی کی ہوا سے خدا بچائے
ہیں کیا مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا
کچھ بھی کرنا نہیں اب کچھ بھی نہ کرنیکے سوا

حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال
تم کو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی
کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

محوِ حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشمِ حباب
کچھ نہ تھی ہستی امواج گذرنے کے سوا

میرے شکووں کو نہ پوچھیں رہیں خاموش حضور
کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا

عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی
عیب کچھ اسمیں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نہ باشد معتبر دل را سکون و اضطراب اینجا
غم و شادیست گردِ کاروانِ انقلاب اینجا

میاسا در ہجومِ جلوۂ دنیا کہ می بینم
سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب اینجا

فریبِ بحرِ ہستی مایۂ کبر است غافل را
بہ اوج چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب اینجا

ز قرآں بے خبر منشیں و از عقبےٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبر خوش گو حساب آنجا کتاب اینجا

تو نے جسے بنایا اُس کو بگاڑ ڈالا
اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

برباد کیا اجل نے مجھ کو کیا؟ یہ کہئے
روحِ رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا

دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی
تہذیبِ مغربی نے ہمکو پچھاڑ ڈالا

بنیادِ دیں ہوائے دنیا نے منہدم کی
طوفان نے شجر کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالا

اچھا ملا نتیجہ مجھ کو مراسلت کا
قاصد کو قتل کر کے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آ رہا ہے دلِ بیقرار کا
قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

شایق ہوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا
اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

باغِ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں
دوڑاؤں گل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

شمس و قمر کو دیکھتے ہیں تجھ کو بھول کر — کیا شعبدہ ہے گردشِ لیل و نہار کا
آماجگاہِ تیرِ حوادث ہوں رات دن — پتلا بنا ہوا ہوں غمِ روزگار کا

اے جنوں دور ہے فطرت کی خود آرائی کا — دیدنی ہے یہ سماں لالۂ صحرائی کا
بڑھتا جاتا ہے اُدھر شوق خود آرائی کا — حوصلہ پست ہے یہاں ضبط و شکیبائی کا
آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے — مجھ پر احسان ہے اِس مونسِ تنہائی کا
سبز باغ آپ مرے اشک روانکو دکھائیں — موج پر رنگ جمے گا نہ کبھی کائی کا

ایجاں شبِ فرقت میں میں سو ہی نہیں سکتا — تجھ بن مجھے نیند آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا
اِس بحر میں ہوں مثلِ حباب اے غمِ ہستی — طوفاں مری کشتی کو ڈبو ہی نہیں سکتا
خاکِ قدم اُس نے مری آنکھوں میں لگا دی — اب اور مصیبت ہے کہ رو ہی نہیں سکتا

ہوا سے دے بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہ مبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا
اگر ہو ذوقِ سجود پیدا ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشانِ سجدہ زمیں پہ ہو تو فخر ہے وہ رخ زمیں کا
صبا بھی اُس گل کے پاس آئی تو میرے دل کو ہوا یہ کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے پیام لائی نہ ہو کہیں کا
نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے نہ لالۂ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغ دل کے لئے ہے کافی تصوّر اُس روئے آتشیں کا
نہ علمِ فطرت میں تم ہو ماہر نہ ذوقِ طاعت ہے تم سے ظاہر
یہ بے اصولی بہت بری ہے تمھیں نہ رکھیگی یہ کہیں کا

جسے اپنے کام کا پا گئی اُسے اک نظر میں ملا لیا — تری چشمِ مست ہے وہ غضب مرے شیخ کو بھی ملا لیا
وہ فنا کے رنگ سے خوش نہ تھا اُسے کب تھا میلِ شگفتگی — یہ فریبِ لطفِ نسیم تھا کہ کلی کو جس نے کھلا لیا

یہ گہر فشانیٔ متصل ہے فقط نتیجۂ جوشِ دل
نہ ہوا میں طالبِ انجمن نہ کسی سے میں نے صلا لیا

جو دیکھی ہسٹری اسباب پر کامل یقین آیا
اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا

علیگڈھ کو شرف بخشا ہے اقبالِ نصاریٰ نے
کہ جو مسلم اُٹھا شوقِ ترقی میں یہیں آیا

وہ اک دن تھا میاں کو عار تھا صاحب بھی بننے میں
پڑا اب سایۂ مغرب تو بی بی بھی یہیں آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوا اے اکبر
اُڑا جو ذرّۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا
جور صرصر کے دن آئے دورِ بلبل ہو چکا

واعظا تجھ کو مبارک سُنبلِ تقویٰ کے پیچ
اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا

بحرِ عرفاں کے لئے ہے کشتیٔ دل لازمی
سود مند اس راہ میں الفاظ کا پُل ہو چکا

کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے
سنتے ہیں سرمایۂ اہلِ توکل ہو چکا

سانس لینے میں بھی اے اکبر کرو اب احتیاط
موقعِ فریاد و آہِ بے تامل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُنکے یہ شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پر نور ہوئی
یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرش اُس دل کی بلندی صلِّ علےٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اُٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلِّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ و تر
بلبل کے ترانے صلِّ علےٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل اُن نے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اُن کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ
رہا میں باغ میں دو دن کفِ افسوس مل آیا

محلّے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جا کر کود اُچھل آیا

جہانِ بے بقا سے کیا لگائے دل کوئی اکبر
گیا وہ آج پُرحسرت جو ارماں لے کے کل آیا

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا
نسیم صبحگاہی وجد میں ہے

چمن اک رنگ ہے اُسکی ادا کا
عجیب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برق بلا تھا نظارہ اُس مِس کا
نسیم و گل سے تعلق پہ یہ نہیں غمّاز

وجود ہی نہ رہا دل میں وین سکے حس کا
خدا زیادہ کرے نورِ چشمِ نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا
نشانِ شوکتِ انساں سبنے توسط بھی گئے

ہمیشہ مجھ پہ یہ کم بخت ہوش بار رہا
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

بانکپن دل میں۔ عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا
لان۔ ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار

کی ترقی تو بہت پر وہ میاں پن نہ رہا
ساتھ سبزے کے ہجومِ گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالۂ و فریاد کا
آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی
اِس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں
مِس ہوائے باغ کا ہے اب پردوں کو ناگوار
میری نظروں سے گری رہتی ہے دنیائے دنی

آپ سنتے ہی نہیں قصہ دلِ ناشاد کا
کھیل تھا ویران کرنا خانۂ آباد کا
ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلاد کا
اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیاد کا
عرش منزل ہے یہ پہلو طبع کی اُفتاد کا

اُن کے پرچے کیلئے اکبر نے کہہ دی یہ غزل
شکر ہے اُترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشقِ بتاں میں زندگانی کا مزا
ہے سبب جوشِ جنوں کا رنجِ ہجراں اے حضور

جب خدا کا سامنا ہوگا تو دیکھا جائیگا
آپ تو تشریف لائیں ہوش بھی آجائیگا

عشقِ بت میں کفر کا مجھ کو ادب کرنا پڑا
صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل

جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا
کھل گیا اپنی سمجھ کا حال جب کرنا پڑا

تجربے نے حُبِّ دنیا سے سکھایا احتراز
پہلے کہتے تھے فقط منھ سے اور اب کرنا پڑا

شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں
دین کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا

کیا کہوں بے خود ہوا میں کس نگاہِ مست سے
عقل کو بھی میری ہستی کا ادب کرنا پڑا

اقتضا فطرت کا رکتا ہے کہیں اے ہم نشیں
شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا

عالمِ ہستی کو تھا مدِ نظر کتمانِ راز
ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا

شعر غیروں کے اُسے مطلق نہیں آئے پسند
حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں نیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا

مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے مل کر اندازِ گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا
دل سینے میں ہے منھ میں زباں ہو نہیں سکتا

تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھوں
مجھ سے تو یہ اے جانِ جہاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم
واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا

معنی کی شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہے دل پر
سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا

کس طرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص
ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا

بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی
اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہیں نہیں ختم
کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقیں خدا کا بحثِ نکتہ چیں نے کیوں نہ کیا
نہ پوچھ کارِ نبی دوربیں نے کیوں نہ کیا

جو دل میں آتی ہے اے واعظو نہیں کہتی
سکوت خوب ہے لیکن تمہیں نے کیوں نہ کیا

اُٹھائی میرے ڈرانے کو زحمتِ دشنام
یہ کام آپ کی چینِ جبیں نے کیوں نہ کیا

مجھے تو ملتے ہیں افشائے عشق کے طعنے
نہاں جمال کو اپنے انھیں نے کیوں نہ کیا

ہمیں ہنسنے تھے زیادہ گناہ اکبر پر
ہمیں کو اب ہے یہ حسرت ہمیں نے کیوں نہ کیا

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی — موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
کوئی حسرت مرے دل میں کبھی آئی ہی نہیں — تھا ہی ایسا کہ یہ مقبول تمنا نہ ہوا
اسکی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر — خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا
دلفریبی مری دنیا نے تو بے حد چاہی — میری ہی ہمت و غیرت کا تقاضا نہ ہوا
ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کروں — اسمیں کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا
مجھ کو حیرت ہے یہ کس پیچ میں آیا زاہد — دام ہستی میں پھنسا زلف کا سودا نہ ہوا
بیدریغ آپ یہ دی جان کیا یہ مینے — مرحبا منہ سے کہیں آپ سے اتنا نہ ہوا

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکیگا جو رو رہا ہے وہ رو چکیگا — سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا
فلک چلے ظالمانہ چالیں مچائے اندھیر جتنا چاہے — زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ نصیب بیکس کا سو چکیگا
ہماری منزل کا ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے — کھلینگے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکیگا

مراد اکبر بتان کافر سے مل ہی جائیگی شاید اک دن
مراد ملنے سے پہلے لیکن یہ امتیاز اپنا کھو چکیگا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا — حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
یہ طرز احسان کرنے کا تمھیں کو زیب دیتا ہے — مرض میں مبتلا کر کے مریضوں کو دوا دینا
بلائیں لیتے ہیں اُن کی ہم ان پر جان دیتے ہیں — یہ سودا دید کے قابل ہے کیا لینا ہے کیا دینا
خدا کی یاد میں محویتِ دل بادشاہی ہے — مگر آساں نہیں ہے ساری دنیا کو بھلا دینا

دنیا سے میں نے کچھ بھی نہ چاہا — دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا
اسمیں برائی کیا تھی جو میں نے — احیائے رسم دیرینہ چاہا

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئیگا — خدا کا نام لئے جاؤ کام آئیگا

ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقانِ رسول
لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئیگا

رہے گا خوانِ فلک پر ضرر سے وہ محفوظ
جسے خیال حلال و حرام آئیگا

اگرچہ صبح کو بھوکے ہیں مثلِ مہ صائم
چمک اٹھینگے یہ جب وقت شام آئیگا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اسکا
جسکے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا

لاکھ روے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول
دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہمدم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی پیدا۔ یہ ان کا ادعا کیسا
بتانِ دیر کہتے ہیں ہمیں دیکھو خدا کیسا

ہمیں تو رنگ و بوئے گل پہ محبوبیت ہی مستی ہے
مریضوں کو خبر ہوگی کہ ہے اسکا مزا کیسا

بس آنکھیں بند ہوتی تھیں کہ بدلا ہوش کا عالم
کسے اب یاد نقشہ عالمِ ہستی کا تھا کیسا

حلاوت زندگانی کی کہاں اس تلخ کامی میں
خدا کا حکم ہے جیتے ہیں اے اکبر مزا کیسا

اے دورِ فلک دنیا میں مجھے اب لطف ذرا باقی نہ رہا
جب ہم نفس اپنے اٹھ گئے سب جینے کا مزا باقی نہ رہا

[illegible] کا شکوہ بھول گئے یکتائی پر اپنی فخر ہوا
پیشِ درِ دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا
اسی کا کام ہے ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا

[illegible]ی باتیں ہیں جن کی یاد تڑپا دیتی ہے دل کو
مرا انگڑائیاں لینا اور اس ظالم کا ڈر جانا

[illegible]رے دیر میں آکر کبھی اے شیخ بیٹھو تو
نظر بت پر نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا

[illegible]ں مشتاق اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہر دم
اسی کو ڈھونڈتے رہنا جہاں ہونا جدھر جانا

[illegible]چلے گل گشت۔ بہار آئی۔ چمن کا۔ سماں بدلا
ادھر آ۔ مرے ساقی۔ پلا دے۔ مجھے صہبا

[illegible]وں سے۔ رہائی ہو۔ تردد۔ نہ رہ جائے
مزے میں۔ غزل گاؤں۔ کسی کا۔ نہ ہو کھٹکا

[illegible]ھ میں۔ مسرت ہے۔ مزا ہے۔ جو مستی ہو
خدا پہ۔ بھروسا کر۔ عبث ہے۔ غمِ فردا

٭ بحرِ طویل مخصوص بہ عرب۔ فعولن مفاعیلن۔ فعولن مفاعیلن۔

کہاں ہیں جم و کسریٰ - کدھر ہے - وہ بزم انکی
فنا کا تسلسل ہے - کسی کو نہیں رہنا

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھکو سیری عندلیب
کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری عندلیب

پارک میں اُن کے دیا کرتا ہے اسپیچ وفا
زاغ ہو جائیگا اِک دن آنریری عندلیب

سبب ہے کہ قطع نظر بہر خیالِ روے دوست
یا ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روے دوست

گوش عارف کے لئے قایم ہے صوتِ سرمدی
ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے اُس سے حالِ روے دوست

گردشِ ارض و سما ہے خضرِ راہِ معرفت
مہر و مہ ہیں شاہدِ اوجِ کمالِ روے دوست

صد ہزاراں گلشنِ معنی براہ اُفتادہ است
تا مرا بر صورتِ خویش نگاہ اُفتادہ است

خار از دستت زلیخا را براہ اُفتادہ است
مژدہ بادا ے عشق یوسف ہم بچاہ افتادہ است

بباغِ طبع ز عشقِ تو رنگ و بوئے ہست
مرا بہ سینہ دلے ہست و آرزوئے ہست

ز شورِ عالمِ ایجاد بیخبر ہستم
کہ حیرتست و نگاہ من ست و روئے ہست

شورِ بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوارِ صبح
اللہ اللہ کس قدر ہیں دل کشا آثارِ صبح

آفتابِ اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس
نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح

جلوۂ حق کے مقابل روے بت ہے بے فروغ
ہے پیامِ مرگ شمعوں کے لئے دیدارِ صبح

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیمِ صبح خیز
تیرے دم سے ہے چمن میں گرمیٔ بازارِ صبح

شب گذرتے ہی ہوئی برخاست بزمِ میکشی
گردنِ مینا سے شاید اُٹھ نہ سکتا بارِ صبح

مدتوں سے آجکل پر ٹالتے ہیں وہ مجھے
صبح کو اقرارِ شام اور شام کو اقرارِ صبح

عاشقِ دنیا کو کیوں آئے خیالِ آخرت
کس نے پروانے کو پایا شایقِ دیدارِ صبح

خوابِ نوشیں سے ترا بیدار ہونا الاماں
یہ خمارِ نرگسِ مستانہ یہ آثارِ صبح

عہدِ پیری آگیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش
خوابِ غفلت سے اُٹھو پیدا ہوے آثارِ صبح

کروں میں کس طرح اِس دورِ انقلاب کی مدح
ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی ہج

بقیہ صیغے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھے گا تیس سال کے بعد

نظارۂ بتِ بے دیں میں ہے ہلاکیٔ روح
اب اختیار ہے تمکو اس احتمال کے بعد

ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا
یہ لطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد

رہے نہ اہلِ بصیرت تب خرد سے چکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلّت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیرِ فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہ محرم ہی پڑا عید کے بعد

جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اُسی کی طپش سے زبان پر
پہلو میں دل نہیں ہے مصیبت ہے جان پر

دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے
دانہ تو زیر خاک ہے ابر آسمان پر

دن کو بھی اُنکے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سوادِ شہر
لوں کتنے نام روؤں میں کس کس نشان پر

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہوں وہ ھُوَ الْمُسْتَعَان پر

جو ہے زباں پہ دل کو نہیں اُس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر

شکرِ خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دوکان پر

افسانۂ بہار و زبانِ نسیم - واہ
گُل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر

جوش اُسکو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جہالت می تراود ہر زماں شانے دگر
وز خیالت می دمد ہر دم گلستانے دگر

انقلابے ہست در ذرات و ہوشم ہر نفس
ہر زماں دارم ز تو جستے دگر جانے دگر

دل عطا کردی بمن قربان احسانت شوم
درد بخشیدی بہ دل ایں باشد احسانے دگر

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر
اب شاعری وہ ہے جو اُبھارے گناہ پر

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول
یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر

چہرے نے دی شہادتِ غم زرد تر ہوا
سختی یہ کیوں ہوئی مرے سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی ظاہر وہی باطن وہی اول وہی آخر

وہی غالب رہے مجھکو ہوئی شرمندگی آخر
نہ مانا آپ نے اور خاطرِ اغیار کی آخر

وہاں الفاظ خضرِ رہ ہیں یاں معنی ہیں منزل پر
زباں کا اُنکو دعوےٰ ہے تو مجھ کو ناز ہے دل پر

سماعت گوشِ گل میں ہے نہ بینا دیدۂ نرگس
عجب کیا گریۂ شبنم جو ہے اس بزم غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل دل ہی نہیں بھائی ایکطرف
کرکٹ کی کھلائی ایکطرف کالج کی پڑھائی ایکطرف

کیا ذوقِ عبادت ہو اُنکو جو مس کے لبوں کے شیدا ہیں
حلوائے بہشتی ایکطرف ہوٹل کی مٹھائی ایکطرف

طاعون و تپ اور کھٹمل مچھر سب کچھ ہے یہ پیدا کیچڑ سے
پیسے کی روانی ایکطرف اور ساری صفائی ایکطرف

مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ بتوں کو کرتے ہیں
اسلام کا دعویٰ ایکطرف یہ کافرادائی ایکطرف

ہر سمت تو ہے اک دامِ بلا رہ سکتے ہیں خوش کسطرح بھلا
اخبار کی کاوش ایکطرف آپس کی لڑائی ایکطرف

کیا کام چلے کیا رنگ جمے کیا بات بنے کون اُنکی سنے
ہے اکبر بیکس ایکطرف اور ساری خدائی ایکطرف

فریاد کئے جا اے اکبر کچھ ہو ہی رہیگا آخر کار
اللہ سے توبہ ایکطرف صاحب کی دہائی ایکطرف

محفوظ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک
اوراقِ ہسٹری میں نقشِ قلم کہاں تک

ہر قطرہ اور ذرّہ ہے مورثِ حوادث
دفتر بڑا کہاں تک زورِ رقم کہاں تک

شخصی ہوں خواہ قومی سب حالتیں ہیں فانی
کبر و غرور کب تک جاہ و حشم کہاں تک

دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں پائیں جو کچھ تو جانیں
کب تک چناں چنیں یہ قول و قسم کہاں تک

فطرت دکھا ہی دیگی ملحد کی بے ثباتی
عجزِ عرب کہاں تک نازِ عجم کہاں تک

ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے
اُنپر وثوقِ صحت اے محترم کہاں تک

اے چرخ بد دماغی کی تجھ کو کیا ضرورت
ناکامیوں پر اپنے روئینگے ہم کہاں تک

نعمت سمجھ بلا کو لے لذّتِ تماشا
آخر یہ مخزنِ اشک اے چشمِ نم کہاں تک

کہتے ہیں دوست اکبر کو دیکھ کر بہ حسرت
ہے اِسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہاں تک

قربِ منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر
ضعف سے یاں تو ہے دو گام بھی چلنا مشکل

ناتوانی سے مٹا جاتا ہے آپس کا وہ میل
نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسوئے پریشاں اندنوں
کوسے دل میں کیونکر آئے بوئے ایماں اندنوں

علمِ دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضرِ رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں اندنوں

اپنے اُشتر کو یہ کیا لیجائے گا سوئے حجاز
مست خود ہے بنیڈ کی گت پر حدی خواں اندنوں

بڑھ رہا ہے کفر زُلفِ علّت و معلول سے
حُسنِ فطرت ہے حجابِ روئے یزداں اندنوں

شارحِ دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی
ہے ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں اندنوں

یاد کرتا ہے گذشتہ با اثر لا حول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں اندنوں

کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلا ئے ہیں پانوں
بے زباں ہے بزمِ دل میں شمعِ ایماں اندنوں

صورتِ امروز میں گم ہے نگاہِ ناتواں
نقشِ فردا چشمِ باطن سے ہے پنہاں اندنوں

زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند
کم نظر ہے جانبِ گورِ غریباں اندنوں

ہے اوولیوشن[۱] بس اک تفسیرِ ربّ العالمیں
کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں اندنوں

مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ہی پر ختم ہے قولِ فلسفہ[۲]
کیوں عبث برپا ہے اتنا شورِ طفلاں اندنوں

ہیں مشاغل محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ
دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخنداں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو اُنکے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

جنکے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
اُن کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

---

[۱] ارتقا [۲] مسئلہ تنازع للبقا

کان نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں مے خانوں میں
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں

شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے
آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

پڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے
خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمیٔ دل جو ہے منظور تو منطق یہ نہ جا
عشق ہے آگ لگانے کے لئے جانوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبرؔ
مردِ عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں

صاحبِ حسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں
جس طرح اہلِ سخن واہ سے خوش رہتے ہیں

ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے
اس لئے ہم دلِ آگاہ سے خوش رہتے ہیں

قابلِ قدر طبیعت ہے ہماری اکبرؔ
ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا جمالِ معنی میں کم نہیں ہیں
کہ شکلِ ظاہر جو دیکھتے ہو ہمارا پرتو ہیں ہم نہیں ہیں

کنارہ کش ہو گئے ہر اک سے نہ سو تعلق نہ سو تردد
خوشی نہیں ہے یہی ہے اک غم طرح طرح کے الم نہیں ہیں

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کر لیں
اے جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کر لیں

منھ ہم کو لگاتا ہی نہیں وہ بتِ کافر
کہتا ہے یہ اللہ سے انکار تو کر لیں

سمجھے ہوئے ہیں کام نکلتا ہے جنوں سے
کچھ تجربۂ سبحہ و زنار تو کر لیں

سو جان سے ہو جاؤں گا راضی میں سزا پر
پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کر لیں

سچ ہے ہمیں انکار نہیں حضرتِ واعظ
طوفِ حرم کوچۂ دلدار تو کر لیں

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوتِ اکبرؔ
خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کر لیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مدّاحوں کے زمرے میں
اِدھر بھی اک نظر اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں
تمہارے مصرعِ قامت کو لکھ کر کلکِ قدرت نے
دکھادی خوبیٔ انشائے ہستی ایک جملے میں

اگر ڈھونڈھو تو اکبر میں بھی پاؤگے ہنر کوئی
اگرچہ ہونگے لو عیب تم اچھے سے اچھے ہیں

کیا کہیں اوروں کو یہ ایسے ہیں وہ ایسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں
جانتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے لیکن
محو ہیں انجمنِ دہر میں خوش بیٹھے ہیں
عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر
شمع کو حس نہیں یہ جان دئے دیتے ہیں

مُنھ دیکھتے ہیں حضرتِ احباب پی رہے ہیں
کیا شیخ اسی لئے اب دنیا میں جی رہے ہیں
میں نے کہا جو اُس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
احباب اُٹھ گئے سب اب کون ہم نشیں ہو
واقف نہیں ہیں جن سے باقی وہی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا مسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں
چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں
زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
سینے سے پُرسوز آہیں اُٹھتی ہیں اے ہمنشیں
لب پہ آکر یہ جو نکلیں بے اثر تو کیا کروں
ہے خطا میری جو نکلے منھ سے لفظِ آرزو
آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں
دیر کیسا دل ہی میں کر لیتے ہیں یہ بُت گذر
جلوہ گاہ اُنکا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پر درِ دل اے حضور
غم نہیں گر آپ کا در وا نہیں
آگیا فضلِ خدا سے فنِّ صبر
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں اُسنے اسکا میں کیا گلا کہ توجہ انکی اِدھر نہیں
مرا حال تو ہے یہ ہمنشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہر دم وہم رنج افزا میں ہیں
یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا؟ عالمِ دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

عالم ہے بے خودی کا مے کی دُکان پر ہیں
ساقی پہ ہیں نگاہیں ہوش آسمان پر ہیں

دل اپنی ضد پہ قایم وہ اپنی آن پر ہیں
جتنی مصیبتیں ہیں سب میری جان پر ہیں

دنیا بدل گئی ہے وہ ہیں ہیں کہ اب تک
اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پہ ہیں

میرا وہ دل نہیں ہے جو ہم نشین لب ہو
یہ آپ ہیں کہ ہر دم اپنی زبان پہ ہیں

پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں
ہم مثل سنگ در کے اُس آستان پہ ہیں

اب تک ہے یاد ہمکو اپنی بلند نامی
اب بھی مٹے ہوے ہم مٹتے نشان پر ہیں

ہر در کو ہم نے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا
نقشِ جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں

یہ صورتیں تمھاری یہ ناز یہ ادائیں
قربان اے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں

انداز وہ نظر کے جو آرزو کو روکیں
باتیں جو کردیں ساکت اُن کی زبان پہ ہیں

شکرِ خدا کہ اُنکے قدموں پہ سر ہے اپنا
اسوقت کچھ نہ پوچھو ہم آسمان پر ہیں

یہ قطرہ ہائے شبنم ہیں زینتِ گلِ تر
یا موتیوں کی لڑیاں اُس گل کے کان پر ہیں

ہر ذرہ کوئے عشقِ احمد کا کہ رہا ہے
جو اس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

اب تک سمجھ رہے ہیں دل میں مجھے مسلماں
قائم ہنوز یہ بت اپنے گمان پر ہیں

اسلوب نظم اکبر فطرت سے ہے قریں تر
الفاظ ہیں محل پر معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پر ہیں
دل میں ہے داغ حسرت قصّے زبان پر ہیں

خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہل عرفاں
آنکھیں زمین پہ ہیں دل آسمان پر ہیں

ہے دیدنی یہ گرمی بازار کافری کی
گاہک بنا ہے تقویٰ بت بھی دُکان پر ہیں

کرتا ہوں میں جو آہیں کہتے ہیں یہ ہیں مہمل
یہ اعتراض اُنکے دل کی زبان پر ہیں

کرتی ہے بیخودی میں سوزِ درد دل کو ظاہر
اے شمع ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں

فریادِ مرغِ بسمل سمجھو تڑپ کو اُس کی
اسوقت بے کسی میں گویا زبان پر ہیں

آزاد و مبتلا ہیں کیسا مکان و مسکن
بس جس نے دل میں جا دی اسکے مکاں ہیں

دیکھ اے نگاہ حیراں یہ عشوۂ حوادث
سے مول اے زلیخا یوسف دکان پر ہیں

مرحوم دل بھی کیا تھا کیا حسرتیں تھیں اس میں
اب تک کچھ اس کی باتیں میری زبان پر ہیں

دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے
بنیاد ہے ہوا پر سر آسمان پر ہیں

اُمید ہے دعا کی اہل سخن سے اکبر
میرے حقوق بھی کچھ اردو زبان پر ہیں

وفا بتوں میں نہیں ہے خدا کو پائیں کہاں
اسی فراق میں کٹتے ہیں دن کہ جائیں کہاں

سکون دل کی طلب میں اُٹھے ہیں گھبرا کر
پہنچ رہینگے کہیں تم سے کیا بتائیں کہاں

جنوں کی مشق بھی ہے عاقلی بھی آتی ہے
یہ سوچتے ہیں کہ کس فن کو آزمائیں کہاں

خرد نے رُخ تو کیا بحر معرفت کی طرف
بشر کے دل میں یہ موجیں مگر سمائیں کہاں

یہ کہہ کے خون جگر مانگتا ہے غم دل سے
کہ تیرے گھر میں رہیں یا تن تو کھائیں کہاں

اُمید بوسۂ ابرو و زلف و چشم کسے
مرے نصیب کہاں اور یہ بلائیں کہاں

مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہ سید سے
قفس میں ہیں تو اِس اڈے کو چھوڑ جائیں کہاں

خدا کیواسطے دنیائے دوں سے منہ موڑے ہیں
وہی ہیں مستند الناس مگر افسوس تھوڑے ہیں

مرے خطا بے اثر ہیں اُس نگاہِ تیز کے آگے
وہاں ہے تار بجلی کا یہاں کاغذ کے گھوڑے ہیں

بتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبر ناداں
چھوئے ہیں پاؤں انکے جبکہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں

ہم کب شریک ہوتے ہیں دنیا کی جنگ میں
وہ اپنے رنگ میں ہے ہم اپنی ترنگ میں

مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

وہسکی کی بو سے شیخ کی چتون بدل گئی
اِن کی نظر بھی مِل گئی ساقی کے رنگ میں

تحقیر مولوی کی نہ کرا ے گربجو ئیٹ
واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبلِ دل کے لئے ہر داغ گلشن ہے یہاں
ہر نفس راہِ جنوں میں گل بدامن ہے یہاں

ہے تجلّی نورِ حیرت کی ہر آہِ شعلہ بار
ہر طپش سینے کی برقِ طورِ ایمن ہے یہاں

شعلہ ہائے غم سے ہے نشو و نمائے باغِ دل
دامنِ ابرِ کرم ہر برقِ خرمن ہے یہاں

راحت و آرام جاں پر ہے مقدم یادِ دوست
راہِ غفلت جو چلے وہ سالس دشمن ہے یہاں

منزلِ ذوقِ نظر ہے سالکوں کو پُر خطر
عکس نقشِ عالمِ احیا در رہزن ہے یہاں

شعلۂ غم سے دلِ سوزاں میں اک جان آگئی
روح پرور اختلاطِ برق و خرمن ہے یہاں

کتابِ دل میں میرے عاشقانہ دیکھکر مضموں
کیا اس چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

مری بیتابئ دل پر ادا سے مسکراتے ہیں
قیامت کرتے ہیں بجلی پہ وہ بجلی گراتے ہیں

فانی ہے حسنِ بت یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہیں

فریاد ہی کے کاش طریقے ہوں منضبط
یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں

اس انقلاب پر جو میں روؤں تو ہے بجا
مجھکو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں

کس جرم پر چلوں رسول تو دنیا سے اٹھ گئے
اللہ ہے سو اُسکو میں پہچانتا نہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اکبر ہنوز اُن سے ہے اُمیدوارِ لطف
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب وقف ہے زباں بتوں ہی کی راہ میں
دل بھی نہ رہ سکیگا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اِک دن دورِ فلک مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی دمک افلاک پہ تاباں انجم ہیں
کیسا یہ اثر اِس دور میں ہے ساقی کی نظر بھی غم میں ہے

جو مست ہیں اُنکو ہوش نہیں جو ہوش میں ہیں وہ گُم صُم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر ہم اُنہیں نہیں ہیں اے اکبر
جب نعمت ہو تو منطق ہے جب آفت ہو تو گُم صُم ہیں

ظلم جتنے ہیں ہمیں پر وہ کئے جاتے ہیں
شیخ کے حق میں اُٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے
ہم بھی ایسے ہیں کہ اسیر بھی جئے جاتے ہیں
ظرف انہیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں
شراب اُڑتی ہے پبلک میں روا ہے خون تقویٰ کا
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں
غیر کے ذکر میں کرتے نہیں میرا وہ لحاظ
اعتبار اُنکا کر اکبر جو ہیں پابند نماز
یہ دکھانا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں
تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں
ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

وعظ کالج میں جو کہنے آتے ہیں اکثر اکبر
کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حورِ مس کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں
اللہ اللہ یہ سوزِ فلک و رنگ زمیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

حسن کے باب میں اکبر کی سند ٹھیک نہیں
یہ تو ہر اک بُت کمسن کو پری کہتے ہیں

میں نے دیکھی ہیں غزالوں کی بہت چالاکیاں
روکدیں اُنکی حیا نے نشہ کی بیباکیاں
ایک گردش میں کیا خونِ دو عالم کو مباح
بحرِ غم کو کر دیا افسردگی نے منجمد
دیکھ تو لے دستِ ساقی میں مئے گلگوں کا جام
ہائے ان آنکھوں کی سی انمیں کہاں بیباکیاں
رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں
چشمِ مستِ ناز کی اللہ رے سفاکیاں
ہو چکیں دردآشنا دل کی وہ سب تیراکیاں
شیخ کی نیت کی رہجائینگی ساری پاکیاں

عیش باغ اکبر کا جو تھا اب وہ اک غمخانہ ہے
ذکرِ مرگِ آرزو ہے اور گروہِ بیکسیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہو گیا ہوں
اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہوں

کافی ہے سوزِ باطن انوارِ معرفت کو
اپنی ہی شمعِ دل کا فانوس ہو گیا ہوں

کتنی باتیں پیہم اس دورِ فنا میں ہو چکیں
ابتدا میں کتنی داخل انتہا میں ہو چکیں

سوچ تو دل میں تو اے مصروفِ حالِ صبح و شام
کتنی صبحیں ہو چکیں اور کتنی شامیں ہو چکیں

فکرِ دنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا
آپ کی کلیاں شگفتہ اِس ہوا میں ہو چکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کارِ دیں تو کچھ بھی نہیں
یہ سچ بھی ہے کہ مزا بے یقیں تو کچھ بھی نہیں

تمام عمر یہاں خاک اڑا کے دیکھ لیا
اب آسمان کو دیکھوں زمیں تو کچھ بھی نہیں

مری نظر میں تو بس ہے انھیں سے رونقِ بزم
وہی نہیں ہیں جو اے ہم نشیں تو کچھ بھی نہیں

حرم میں مجھ کو نظر آئے صرف زاہدِ خشک
مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں

ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوتِ نسبت
نبات۔ قند۔ شکر۔ انگبیں تو کچھ بھی نہیں

وہ باغ اب تو مسوں کا ہے چرخِ چارم پر
بڑھا دیا مری خواہش نے یقیں تو کچھ بھی نہیں

بہ قولِ حضرتِ محشر کلام شاعر کا
پسند آئے تو سب کچھ نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کہتے ہیں کہ تمھیں ہو جو کچھ ہوا اے اکبر
ہم اپنے دل میں ہیں کہتے ہیں تو کچھ بھی نہیں

ہے دلیلوں سے نہیں پیدا یقیں کیونکر کریں
سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں نہیں کیونکر کریں

کس طرح دنیا کو چھوڑیں ہے بنائے زندگی
ہے مدارِ کارِ ملت ترک دیں کیونکر کریں

مغربی علم و ہنر تو خوب ہے اکبر مگر
اپنی اِس تعلیم پر ہم آفریں کیونکر کریں

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزم ہستی میں
حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں

فلک دیتا ہیں کچھ اوج رخ کرتے جو پستی کا
خیالوں کی بلندی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

کسی کو یاں بقا نہیں۔ کوئی سدا رہا نہیں
یہاں کا رنگ ہی یہ ہے ہمیں تو کچھ گلا نہیں

ہمارا دور ہو چکا۔ زمانہ اب گیا بدل
جہاں کا وہ چلن نہیں۔ فلک کی وہ ادا نہیں

بڑے جو ہیں وہ بے ثمر۔ جو خرد ہیں وہ خیرہ سر
عطا نہیں کرم نہیں ادب نہیں وفا نہیں

جو مال ہی پہ ہے نظر۔ تو خون ہے اور ترا جگر
مرض ہے جسکو حرص کا۔ کبھی اُسے شفا نہیں

یہی تھی شرط عاشقی۔ کبھی مری خبر نہ لی
یہ کیا سبب نظر تری۔ مری طرف ذرا نہیں

غرور تھا نمود تھی۔ ہٹو بچو کی تھی صدا
اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتا نہیں

بوسۂ زلف سیہ فام ملے گا کہ نہیں
دِل کا سودا ہے مجھے دام ملیگا کہ نہیں

خط میں کیا لکھا ہے قاصد کو خبر کیا اسکی
پوچھتا ہے مجھے انعام ملے گا کہ نہیں

میں تری مست نظر کا ہوں دعاگو ساقی
صدقہ آنکھوں کا کوئی جام ملے گا کہ نہیں

قبر پر فاتحہ پڑھنے کو نہ آئینگے وہ کیا
جان دینے کا کچھ انعام ملے گا کہ نہیں

بو کسی سمت سے آتی نہیں ہمدردی کی
مجھ کو مجھ سا کوئی ناکام ملے گا کہ نہیں

جستجو ہی میں وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ
کیوں میں پوچھوں وہ دل آرام ملیگا کہ نہیں

آرزو مرگ کی تم کرتے ہو اکبر لیکن
سوچ لو قبر میں آرام ملیگا کہ نہیں

جس خرابی کا نہیں باقی رہا غم کیا کریں
مرگ دل سے ہو گئی تسکین ماتم کیا کریں

تیغ قاتل چل رہی ہے اندروں مثلِ نسیم
ہے بہار زخم دلکش فکر مرہم کیا کریں

مرشدوں ہی سے تو ہر اک جانتا ہے اپنا کام
حال مریداً ابتک نہیں واقف ہوئے ہم کیا کریں

شیخ کے آگے نہ مے پینا نہیں از راہِ خوف
گردنِ مینا کو اس کے سامنے خم کیا کریں

خوفِ حق عشقِ بتاں نازک ہیں دونوں مسئلے
سخت مشکل ہے زیادہ کیا کریں کم کیا کریں

کچھ مزا گیہوں کا کچھ حوا کے کہنے کا خیال ۔۔۔ آپ ہی کہئے کہ اس موقع پر آدم کیا کریں
میری بی بی سے چھینیاں اور انکا کہنا ناز سے ۔۔۔ ہنس کے تم سے بولتے ہیں اور ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سنئے ۔۔۔ واعظ کو مگر جھنجھوڑیے کیوں
اکبر سے نہ کہئے ہائے سر جی ۔۔۔ امید مریض توڑیے کیوں

ہے تگاپو اسقدر مگر کوئی نہیں ۔۔۔ فرنچ رام لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں
کہتی ہیں آہیں کرینگے تیرے دلکا ہم رفاہ ۔۔۔ سب مگر شہرت طلب ہیں با اثر کوئی نہیں
کیمپ میں پاتا ہوں یارو نکو جو کو دن بیشتر ۔۔۔ یہ اثر اصطبل کا ہے ور نہ خر کوئی نہیں

ادھر اترا ہے چہرہ کوہن کا وہ بیر چڑھکر ۔۔۔ ادھر کب تخت پر سے حضرت پرویز اترے ہیں
حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہل ہوٹل کو ۔۔۔ وہاں قرآن اترا ہے یہاں انگریز اترے ہیں
مرے الفاظ کا رنگ آج مستان سخن دیکھیں ۔۔۔ یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اترے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیٔ بازار نہ ہو ۔۔۔ دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو
نقش دل ہو صفت معنی رنگیں یہ دوست ۔۔۔ رنگ ظاہر پہ نہ جا نقش در و دیوار نہ ہو
جنگجوئی فصحا رکھ نہیں سکتے جائز ۔۔۔ انکی خواہش ہے کہ لفظوں کی بھی تکرار نہ ہو
سانس کی طرح چلے منزل ہستی میں بشر ۔۔۔ مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو
نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع ۔۔۔ وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو
سرو سے بھی رہوں آزاد تر اس گلشن میں ۔۔۔ نخل ہستی پہ مرے برگ کا بھی بار نہ ہو
مقدرت شرط ہے ہر چند کہ ہو قدر شناس ۔۔۔ بے بصیرت نہ سمجھ لو جو خریدار نہ ہو

بزم ہے شعلہ مزاجوں کی سنبھل اے اکبر
برق خرمن کہیں یہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے بتو بہر خدا در پئے آزار نہ ہو ۔۔۔ نہیں راحت نہ سہی زیست تو دشوار نہ ہو
یارب ایسا کوئی بتخانہ عطا کر جس میں ۔۔۔ ایسی گذرے کہ تصور بھی گنہگار نہ ہو

معترض ہو نہ مری عزلت و خاموشی پر
کیا کروں جبکہ کوئی محرمِ اسرار نہ ہو

کیا وہ مستی کہ دمِ چند ہیں تکلیفِ خمار
مست وہ ہے کہ قیامت میں بھی ہشیار نہ ہو

جان فرقت میں نہ نکلی تو مجھے کیوں ہو عزیز
دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہ ہو

ناز کہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئینِ جمال
نازکی کہتی ہے سرمہ بھی کہیں بار نہ ہو

دل وہ ہے جسکو ہو سودائے جمالِ معنی
آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہ ہو

دل پہ داغ کو ارماں کہ گلے اُنکو لگائے
اُنکو یہ ڈر کہ گلے کا یہ کہیں ہار نہ ہو

عاشقِ چشمِ سیہ مست تو زنہار نہ ہو
دیکھ اس جان کی گاہک کا خریدار نہ ہو

ہر غبارِ رہِ اُلفت ہے مرا سرمۂ چشم
دل یہ کہتا ہے کہ یہ خاکِ درِ یار نہ ہو

لن ترانی کی خبر عشق نے سن رکھی ہے
پھر بھی مشکل ہے کہ وہ طالبِ دیدار نہ ہو

تمکو سودائے ستم کیوں ہے جو ہے شوقِ فروغ
کیا تلطف سببِ گرمیٔ بازار نہ ہو

قیمتِ دل تو گھٹانیکا نہیں میں اکبر
بے بصیرت نہیں ہوتا جو خریدار نہ ہو

قلزم کی تہ ٹٹولو یا ایرشپ[1] میں جھولو
جب بھی یہی کہوں گا اللہ کو نہ بھولو

زخمی کیا جو تم نے ترچھی نظر سے مجھ کو
برچھی کا یہ تو پھل ہے اسپر بہت نہ پھولو

باغ و چمن چھڑایا دورِ فلک نے ہم سے
سائے میں اپنے ہمکو لیلو اب اے ببولو

خاکی نہاد ہم ہیں مائل ہیں خاک ہی پر
شعلوں سے کوئی کہدے تم آسمان چھولو

برباد و منتشر بھی ہو گئے اسی ہوا سے
کس زعم میں اُٹھے ہو تن کر تم اے بگولو

ہنگامۂ جہاں سے آزردہ ہو گئے اکبر
گوشے میں جاکے بیٹھو اور جام لو سبو لو

ہو اگر ہمتِ عالی دلِ آگاہ کے ساتھ
غیر ممکن ہے محبت نہ ہو اللہ کے ساتھ

طفلِ دل چھوڑے نہ دامانِ قناعت ہرگز
یہی بہتر ہے رہے اپنے بہی خواہ کے ساتھ

[1] ہوائی جہاز

اسلام میں اکبر گو یہ غلو یہ رنگ ورع یہ زہد کی بو
اور اُس محبِ کافر کا انکو یہ عشق یہ پیار اللہ اللہ

کیا رہے دورِ فلک میں کوئی تمکین کیساتھ — جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کے ساتھ
غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کیساتھ — ہم پیانو بھی بجانے لگے اب بین کیساتھ
اس تماشہ گہہ ہستی میں مجھے حیرت ہے — اک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سین کیساتھ
شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جاے مرا — اُنس اسوجہ سے کم رکھتے ہیں یاسین کیساتھ
مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے — چشمِ غماز کی گردش بھی ہے تحسین کیساتھ
دل دیا - مال دیا - پیار کیا انکو مگر — ان بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کیساتھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا حال دیکھ — حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ
سوچ تجھکو ہے اگر آیندہ پالیٹکس کی — لے نتائج سے مدد اور ہسٹری میں فال دیکھ
شوقِ طول و پیچ اس ظلمتکدہ میں ہے اگر — بات بنگالی کی سن بنگالنوں کے بال دیکھ
دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب — عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو اکسال دیکھ
حسن مس پہ کر نظر مذہب اگر جاتا ہے جائے — قدرداں کو نرخ کی کیا بحث اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے — سبب یہ ہے کہ ہم اُسمیں یکدل ہو نہیں سکتے
حکومت ایشیا پہ قسمتِ مغرب میں ہے جبتک — کمالات اُسکے جو ہیں ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے
اثر ہے طاعت و حسنِ عمل کا گو کہ قسمت پہ — مگر اُس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے

معین ہی نہیں جنکے اصول و ماخذ اے اکبر
قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے — رنج پیدا ابھی جو ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھے
حرص گھٹ جائے وہی نعمتِ عظمیٰ ہوگی — میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے
اسی مٹی کو دیکھے اکبر اگر ذوقِ تعقل ہے — کہیں گٹھی کہیں پتی کہیں غنچہ کہیں گل ہے

وہی انساں وہی آنکھیں وہی جینا وہی مرنا
کہیں اللہ اکبر ہے کہیں الحاد کا غل ہے

گلستانِ سخن ہے بزم ساقی فیض معنی ہے
زبانِ خامہ کہتا ہے یا منقارِ بلبل ہے

منظور ہے مجھے شکوۂ بیدادِ بتاں سے
للہ بتا دے کوئی اللہ کہاں ہے

ہوا ہوں شاہ جنوں کی خوش انتظامی سے
خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے

نشان کھو کے بگولے کیطرح اُٹھے ہیں
تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے

اُٹھے گا فتنۂ محشر تو اُن کا کیا نقصاں
وہ باز آئینگے کیوں مشق خوشخرامی سے

رنگ دیکھے جہان فانی کے
کھیل ہیں دور آسمانی کے

شیخ سے مجھسے اب نہیں ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے

منزلوں دور ابھی دانش سے خدا کی ذات ہے
گمرہیں اور دور ہیں تک اُنکی بس اوقات ہے

تکلف انھیں کے لئے کیجئے
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے

بتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

حلقے نہیں ہیں زلف کے حلقے ہیں جال کے
ہاں اے نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کے

پہونچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوئے رسا
معنے یہ ہیں کمر بھی برابر ہے بال کے

بوس و کنار و وصل حسیناں ہے خوب شغل
کمتر بزرگ ہونگے خلاف اس خیال کے

قامت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسیں
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے

شانِ دماغ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی
رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنے سنبھال کے

زینت مقدمہ ہے مصیبت کا دہر میں
سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے

ہستی حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پتلے یہ سب ہیں آپکے وہم و خیال کے

تلوار لیکے اُٹھتا ہے ہر طالب فروغ
دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے
دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

دلکش صدائے صور تو ایسی نہ تھی مگر
تعظیم حشر کے لیے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

تہذیب مغربی کی بھی ہے وارنش غضب
ہم کیا جناب شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے
مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے

میں سمجھا تھا کنج قناعت کا ساتھی
مگر آپ تو شائق جاہ نکلے

مزاج شریف انہیں باقی نہیں ہے
تو کیا منہ سے الحمد للہ نکلے

ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہونگے کہ یہ آہ نکلے

دل زلف کے کوچے میں شاداں نہ رہا پھر کے
صد شکر کہ بچ نکلا احسان سے کافر کے

ایمان کے دشمن ہیں جلوے بت کافر کے
فتنے تو ذرا دیکھو ترکیب عناصر کے

اے غول ہوس کب تک یہ شمع فریب آخر
رہبر تو ترے سب ہیں ظلمت ہی میں ہر پھر کے

بھائے گی جو نہ ہم تجھکو کر ناز نہ اے دنیا
ہم عرش پہ پہونچے ہیں نظروں سے ترے گر کے

باطن نہ کرے تیرہ مقبول ہے وہ ظاہر
رکھتے ہیں نظر ہم بھی منکر نہیں ظاہر کے

گذرے جب ادھر سے وہ سرگرم فغاں تھا میں
تسکین تو کیا دیتے دیکھا بھی نہیں پھر کے

اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے
کیا لطف اٹھا پردہ درجے سے اگر گر کے

دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

جتنے ہیں بتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر
اللہ کو اب دیدے دو دن تو یہ آخر کے

میں شیفتہ ہوں آپ سے بے مثل حسیں کا
حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے

جب کہتا ہوں مرتا ہوں مری جاں میں تمہیں پر
فرماتے ہیں مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے

وہ نیند میں ہیں شہر میں پھرنے لگے پھیرے
پوچھے کوئی اکبر سے یہ گھر کیوں نہیں جاتے

دشمنِ راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی
جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی

باغِ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ
جو تمنا دل میں آئی داغِ حسرت ہو گئی

کھو دیا تمکینِ دیں کو تو نے اے شوقِ نمود
عزتِ اصلی نثارِ نامِ عزت ہو گئی

شیخ دمسازِ پیانو ہو کے بھولے اپنی لے
گو سریلے ہو گئے لیکن بری گت ہو گئی

ہر جنبشِ نگاہ خرد اک حجاب ہے
عارض پر اُنکے جلوۂ ہستی نقاب ہے

آرام کی تلاش نے رکھا ہے بیقرار
ہر خواہشِ سکون سببِ اضطراب ہے

نہ روحِ مذہب نہ قلبِ عارف نہ شاعرانہ زبان باقی
زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی

شبِ گذشتہ کے ساز و ساماں کے اب کہاں ہیں نشان باقی
زبانِ شمعِ سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقیں رخصت گمان باقی

فضول ہے انکی بد دماغی کہاں ہے فرہاد اب وہ شیریں
یہ وار پرواز اب عبث ہیں کہاں تم میں ہے جان باقی

میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں اُدھر زمانہ ہے شاد و خنداں
اشارہ کرتی ہے چشمِ دوراں جوان باقی جہان باقی

اسلیئے رہ گئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں
سنوں وہ باتیں جو ہوش اُڑائیں اسلیئے ہیں یہ کان باقی

تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہو گیا مستِ نظمِ اکبر
ابھی بدل پاس تک نہیں ہے بہت سے ہیں امتحان باقی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

ناتجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اُس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
مہمانِ نظر اس دم اک برقِ تجلی ہے

واں دل میں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہہ لو
اُنکا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا
برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعتِ حق لازم
ہاں ترکِ مے و شاہد یہ اُنکی بزرگی ہے

دیکھیں پروانے کو دعوؤں پہ اُبھرنے والے
عشق اسے کہتے ہیں یوں مٹتے ہیں مرنیوالے

شرہا یاد انھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں
کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنیوالے

تیز رفتار نہو اسقدر اے موجِ فنا
تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں اُبھرنیوالے

حیرت انگیز ہے یہ رعبِ بتاں اے اکبر
ان سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنیوالے

جلوۂ گل نے چمن میں مجھے بے چین کیا
مل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے

دیدنی آج ہے اس بزم میں دنیا کا جمال
دم بخود بیٹھے ہیں عقبیٰ سے ڈرانے والے

چشم بد دور جنوں کی ہے ترقی مجھ میں
کیوں نہو مست ہیں خود ہوش میں لانے والے

آج بنگلے میں مرے آئی تھی آوازِ اذاں
جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

نہ انھیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش
خوب ہیں فصلِ بہاری کے یہ گانے والے

تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر
سر بکف پھرتے ہیں اب جان چرانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہو بادہ پرستی اچھی
ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی

بت جو مہنگے ہیں تو ہم یادِ خدا کیوں نکریں
ہم غریبوں کو وہی شے جو ہے سستی اچھی

بحث اس وقت نہیں مقبرہ و مسجد کی
مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی

شیخ ہوں شہر میں اور کیمپ میں سید ہوں یہ کیا
جسمیں مل جل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

مرید دھر ہوئے وضعِ مغربی کرلی
نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کرلی

نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا
زمانہ دیکھہ سکے دشمن سے دوستی کرلی

جو حسن بت کی جگہ حکم مس ہوا قائم
تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی

زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب
تجارت آپ نے کی ترک نوکری کر لی

شکوۂ بیداد سے مجھکو تو ڈرنا چاہیے
دل میں لیکن آپ کو انصاف کرنا چاہیے

ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب
اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیے

جمع ساماں خود آرائی ہے لیکن اے عزیز
جس کی صورت خوب ہو اُسکو سنورنا چاہیے

کیوں نہ لوں نام خدا اُس بت کی صورت دیکھکر
لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھکے مرنا چاہیے

ہر سر قند زند آدم ہر چہ آید بگذرد
ہجر کی شب کو بھی لے گردوں گذرنا چاہیے

عاشقی میں خندہ روئی سالکوں کو ہے محال
ہے یہی منزل کہ چہرہ کو اُترنا چاہیے

ہر عمل تیرا ہے اکبر تابع عزم حریف
جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نکرنا چاہیے

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی
دعا کرو نہ مری عمر کی درازی کی

فلک نے ہمکو کیا منتخب مٹانے کو
ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی

مجرب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا
کہ قدر اُٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی

بہت خلوص سے حاضر رہا میں خدمت میں
مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی

خیال کیا ہو کسی کو بنائے مسجد کا
کہ مسجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی

ہمیشہ پیش نظر ہیں وضو شکن منظر
اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

ہم اپنے حال پہ افسوس کیا کریں اکبر
خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

چھڑا ہے راگ جو زیرے کا ہوا کی ہے نئی دھن بھی
غضب ہے سال کے بارہ مہینوں میں پھاگن بھی

یہ رنگ حسن گل یہ نغمۂ مستانہ بلبل
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ دیکھ بھی سن بھی

بڑے دشمن تمہارے ہو گئے راجا کے سیوا سے
مگر من کا پنپنا چاہتے ہو تو کرو تن بھی

ہوس ہے روشِ یہ معنی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے
کمال اس میں یہ ہے عارض بھی ہے ابرو بھی ناخن بھی

جوش میں لائے صبا جسکو وہ خون اچھا ہے
بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنوں اچھا ہے

جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے
کفر پر غصہ دلائے وہ جنوں اچھا ہے

دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اس کی جھلک
بہر تاثیر محبت یہ شگون اچھا ہے

ہاتھ اٹھائینگے نہ یہ دامن منصوری سے
اہل تہذیب کو دنیا میں یہ دل اچھا ہے

دوپہر کو مرے گھر آئی مس رشک قمر
کہدیا میں نے کہ یہ نون کا مون اچھا ہے

مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے
خدا ہی اِن سے سمجھیگا خدا کے گھر کو لوٹا ہے

خوشی کا رنگ ہے دلمیں نہ سرسبزی امیدوں کی
ہمارا باغ ویراں ہو گیا گل ہے نہ بوٹا ہے

ترے کوچے میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹکر
تعجب کیا ہے اس میں مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے

تو نے کب دل کی مری اے بت عیار سنی
جو سنی بات بلا کر سر دربار سنی

چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر
یہ کہانی تری یاروں نے تو سو بار سنی

ابھرا ہے رنگِ سودا دیوانگی بھری ہے
ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے

شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح و شب عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

دورِ گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی
دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی

حشر کا سودا ہوا ذوقِ جمالِ دوست میں
ہم نے بازارِ جہاں میں کچھ خریداری نہ کی

غم دیا اپنا مگر پروائے غمخواری نہ کی
دلستانی آپ نے فرمائی دلداری نہ کی

قہقہوں کی مشق سے سینے نکالا اپنا کام
جب کسی نے قدرِ آہ و نالہ و زاری نہ کی

شوق کی مستی میں میں دیوانہ ہو کر رہ گیا
حسن کے نشے نے اُس پر بیہوشی طاری نہ کی

کوئے جاناں کا پتہ دیکر میں پہنچا خلد میں
مجھ سے کچھ رضواں نے بحث ناچاری شی کی

شیخ بھی کھسکے مریدوں کو جو دیکھا منتشر
جب محیط آوارہ تھا مرکز نے بھی دوری شی کی

وقت سانے کا کبھی آیا نہیں مغرب ہے دور
کیوں پسند اُس برق وش نے مشرقی سلری شی کی

جامہ زیبو نکی نظر بھی دلقِ اکبر پر پڑی
شان ہی کچھ اور تھی اس خرقۂ پارینہ کی

ایک صوتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

مستیٔ نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے
ہے ہوا میں فیضِ ساقی ہر کلی مے نوش ہے

بزم میں ایمائے چشمِ ساقیٔ مے نوش ہے
وہ بہک جائیگا خطرے میں ہے جسکو ہوش ہے

شوقِ وصلِ شعلہ خویاں کیوں نہو برسات میں
ابر کو بھی دیکھتا ہوں برق در آغوش ہے

حال میری بیقراری کا بھی کچھ سن لیجئے
یہ بھی اک آویزہ ہو بجلی جو زیبِ گوش ہے

تا بکے دیدِ حسیناں ؟ تا بکے وارفتگی
آنکھ میں جبتک نظر ہو سر میں جبتک ہوش ہے

آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس
شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے

کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پرشکن
اسکی خود بینی کو آئینہ صفائے دوش ہے

ہے اگر امیدِ فردا ہی پہ صرف اسکی بنا
کل نہو گا آج اکبر کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلی حرصِ دنیا میں کہاں
دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے

جسکے آنکھیں ہیں وہ ہے دیوانہ چشم آفریں
عالمِ عرفاں میں جو ذی ہوش ہے بیہوش ہے

جب ضرورت ہوگی تقویٰ کی تو دیکھا جائیگا
اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

اُنکا تیرِ پالسی اور شیخ و بابو کا گرنہ
خوب ہی لطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے

اتحادِ باہمی اس ملک میں آساں نہیں
کوئی سرسید ہے کوئی بابو آشوتوش ہے

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

حضرتِ منصور انا بھی کہہ رہے ہیں حق کیساتھ
دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ بلند
سرو بستاں بے بضاعت ہے مگر خوش پوش ہے

دشمن بھی ہیں - افسوس میں - یارب یہ ہے - حالت مری
جینا اب تو دشوار ہے - کب آئے گی - ساعت مری
طاقت ہو نہ جب ضبط کی - تو اظہار - غم کیوں نہ ہو
ہر دم اب تو - آتش فگن - سینے میں ہے - حسرت مری
شوخی اُسکی - دیکھو ذرا - مجھ پر ظلم - بے حد کیا
پوچھا میں نے کیوں ہے ستم - بولا یہ ہے - عادت مری
پہلو میں وہ - ہو نگے کبھی - خوشیوں کی - گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی - اک وقت میں - سوتی گو ہے - قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہیے
اس دور عہد میں اسے جینا نہ چاہیے

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

ہیں بت کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج
ایسے معاملات میں کینا نہ چاہیے

دنیا میں امر حق کو کسطرح صاف کہئے
کرتا ہے دشمنی وہ جسکے خلاف کہئے

یہ سرسری اشارا کافی نہیں ہے حضرت
اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے

ہے دشمن دیں راحت دنیا ہے تو کیا ہے
قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے

ساتھ یاروں کے ہماری راحت دل اُٹھ گئی
ایک دو کا ذکر کیا محفل کی محفل اُٹھ گئی

قتل ہونے کی کسے امید تھی قسمت کی بات
اتفاقاً میری جانب چشم قاتل اُٹھ گئی

زُلف میں دل کی گرفتاری بُری
سب مرض اچھے یہ بیماری بُری

ہوش سے عاشق کو بچنا چاہیئے
راہ دل میں یہ گرانباری بُری

آج سنئے آ کے اکبر سے کبیر
شیخ جی ہولی میں خودداری بُری

رُکتے ہیں دست دعا اُٹھتے ہوئے
ہے جو ہونا کیوں ہیگا سب ہوئے

۵۷ بحر طویل مثمن مفعولات مستفعلن رمفعولات مستفعلن - ۱۲

کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں
شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوئے

ناچ ہے مغرب کا بزم وعصر میں
جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے

نام یوسف سے ہوا یعقوب کا
یوں تو حضرت کے بہت بیٹے ہوئے

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

واللہ ستم ہے یہ تکلف
کھایا کیا تم نے چکھ لیا ہے

سکتہ ہے کھرا مرے سخن کا
سب نے اسکو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار پنہاں ہو گئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہو گئے

اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے مشتبہ
ہنس دیئے گل ہو کے غنچہ یا پریشاں ہو گئے

اُسنے آنکھوں کے اشارے سے بڑھایا دل مرا
خواب میں دیکھا تھا دو کافر مسلماں ہو گئے

ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم
ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہو گئے

صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

ہو گیا آخر شکستِ دل سے کار دیں درست
داغ سینے کے چراغ راہ عرفاں ہو گئے

جلوہ ہائے منظرِ ہستی ہیں راحت میں مخل
وہ ہم جب یکجا ہوئے خواب پریشاں ہو گئے

جو کہا اُسنے کیا منظور کیا حرفِ نفی
ہم سراپا اب تو اس محفل میں جی ہاں ہو گئے

ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر حضور
آپ خوش قسمت تھے بندر سے جو انساں ہو گئے

ناز تھا انکو بہت اپنے بدن کی ساخت پر
اگر بہشت میں مرے اک دوست عریاں ہو گئے

صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوان قیس
شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہو گئے

گرے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظر و لمے ستم یہ ہے
بدلجاتے تو کچھ رہتے سے جاتے ہیں غم یہ ہے

طریق تو کو کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی
نگاہ پیش بیں میں جادۂ راہِ عدم یہ ہے

تحمل نالہ و فریاد کا اُسنے کہاں ممکن
نہ ہوں سہم مری افسردگی پہ متہم یہ ہے

نہ بے مہری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غم فرقت
تعارف آپ سے کیوں ہو گیا رنج و الم یہ ہے

کہا تنک رشک اکبر ساقی بزم حریفاں پر
سنبھالو دل کو تم اپنے تمہارا جام جم یہ ہے

ہماری طرق فضل و عطا سب کیساتھ ہے
دیکھو جو غور سے تو خدا سب کیساتھ ہے

جابجا رسا ہیں گیسوے دنیاے دوں کے پیچ
سب اسمیں ہیں پھنسے یہ بلا سب کیساتھ ہے

کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انھیں کیساتھ
انکو تو شوقِ ناز و ادا سب کیساتھ ہے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی

شُنے جو اسکو اُسے تحیر جو اسکو برتے اُسے تردد
ہماری نیکی اور انکو برکت عمل ہمارا نجات انکی

بھلا دو میرے منھ سے بات اگر کوئی بری نکلی
یہ بیدردی ہے کہنا آہ بسمل بے سری نکلی

عدو جمعیتِ ملت کا جو ہو طعن تھی اُسپر
یہ کیا سمجھا عزیزوں نے مجھی پر کیوں چھری نکلی

عرب کہتے تھے تم جسکو وہ کمسریٹ کا خچر تھا
جسے شائستگی سمجھے تھے آخر کرکری نکلی

مجھے اس درس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی
یہاں ہر چیز لیکن مادی و عنصری نکلی

بتوں سے میل۔ خدا پر نظر یہ خوب کہی
شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی

قلش نفیس سٹرک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

تمہاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط
وگرنہ مجھکو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی

جناب شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول
نگاہِ یار رہے بے اثر یہ خوب کہی

شباب و بادہ و فکرِ مآل کار چہ خوش
جنونِ عشق و خیالِ خطر یہ خوب کہی

سوال وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی
وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

حرف مطلب کی رسائی کیوں نہ یا تنک ہو سکے
دل کو خود داری سکھا اکبر جہاں تک ہو سکے

وعدہ اقرار مفصل کا تو کرتے ہو مگر
دیکھ لینا وقت پر تم سے جو ہاں تک ہو سکے

سن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصوں کو مگر
دیکھئے رہنا جو ختم داستاں تک ہو سکے
نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
شاخ گل تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے
اس قوم سے وہ عادت دیرینۂ طاعت
بالکل نہیں چھوٹی ہے مگر چھوٹ رہی ہے
وہ راہ شریعت کی جہاں بچھتی تھیں آنکھیں
یہ کفر کے کنکر سے اُسے کوٹ رہی ہے

فکر فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے
آج تک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا اُمید ہے
غافلوں کو جلوۂ ہستی بہار عید ہے
چشم بینا میں مگر یہ حشر کی تمہید ہے
قد موزوں دیکھئے جوڑے کی بندش دیکھئے
کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے
مجھکو اور اُنکے مضامین کمر پر دسترس
ذہن کیسا ہے یہ کہیے غیب کی تائید ہے

خوشی ہے سبکو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسیکو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے
فنا اسی رنگ سے ہے قائم فلک یہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ گل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے
یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر غرور غفلت سے کل تھا مملو
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل رہا ہے
سمجھ ہو جسکی بلیغ سمجھے نظر ہو جسکی وسیع دیکھے
ابھی یہاں خاک بھی اُڑیگی جہاں یہ قلزم اُبل رہا ہے
کہاں کا شرقی کہاں کا غربی تمام دکھ سکھ ہے مساوی
یہاں بھی اک بامراد خوش ہے وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے

ہوس پرستوں کو کیوں یہ کد ہے ان انقلابوں کی کیا سند ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے بدلنے ہی کو بدل رہا ہے
عروج قومی زوال قومی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ رد و بدل کے اندر یہ امر پولیٹکل رہا ہے
جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انھیں کے حصہ میں زندگی ہے
مقدموں کی ہو لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے
خدا سے تم دل ملاؤ اپنا زبانکو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے زبان سے جو نکل رہا ہے
جھکائیں اکبر سر ارادت ہمیں تو امید کچھ نہیں ہے
اُدھر وہ شمشیر کھنچ رہی ہے اِدھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے
مزا ہے اسپیچ میں ڈنر میں خبر بھی چھپتی ہے پائنیر میں
فلک کی گردش کیساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب آسماں اہل دغا ہی کا ہو رہا ہے
مومن کو چاہیے کہ خدا ہی کا ہو رہے

مجھکو تو حبِ جاہ ہی ہے وجہِ انتشار
دلمیں تمھارے شوق جو شاہی کا ہو رہے

اکبر مریض ہے تو دعا بھی اُسے سکھاؤ
ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردوں رفار مرکی ہر اک سمت تن گئی
بگڑی ہو قوم و ملک کی انکی تو بن گئی
لڑکے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے
بوڑھوں کی آہ جانب چرخ کہن گئی
دم بھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا
مستی میں مل گیا وہ یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مست اثرِ نغمۂ کن ہے
پردیس میں ہے روح مگر دیس کی دھن ہے
کی بیچ لگاوٹ تو بت شوخ یہ بولا
کیوں کفر ہے بدنام جب انمیں بھی یہ گن ہے

ہنس دیتے ہیں حضرت سنکے یہ اکبر کا لطیفہ
جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پن ہے

جانتی تھیں کہ ہنر شرط ہے قاتل کے لئے
دل لئے آپکی آنکھوں نے مگر دل کے لئے
دل مرا اُنکے لئے ہے وہ مرے دل کے لئے
ماسوا اسکے سب اندیشۂ باطل کے لئے
ہر قدم پر ہے فزوں لذت سرگرمیٔ سعی
شوق نے خوب مزے دوریٔ منزل کے لئے
ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن
آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لئے
وہ یہ دنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مفر
خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لئے
مغربی کورس میں ہوتی ہے جدائی رخصت
اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کے لئے

کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی
صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لئے

نہ پالسی وہ رہی اور نہ انتخاب رہے
نئے طریق فقط جان پر عذاب رہے
اس انجمن میں اشارا ہے چشم ساقی کا
وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے
خزاں میں ہوش جب آئیگا خیر دیکھینگے
بہار تک تو ہمیں نشۂ شراب رہے

امیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے
نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حباب رہے

کہاں انکا نام مجھے ہے نشاں سے بھی گریز
مبارک آپ ہی کو خواہشِ خطاب رہے

اس اک گناہ کو منظور کیجیئے تو مجھے
تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی اجل آئے تو ایسی جفا نکرے
مری جان کو جسم سے کردے الگ۔ مرے درد کو دل سے جدا نہ کرے

بتِ شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر۔ مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش ہو تجھ میں وفا۔ تو وہ کہتا ہے ہنسکے خدا نہ کرے

مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے صبر سے کام نہ لوں
وہاں حسن کے ناز میں آئے کمی۔ جو وہ حقِ ستم کو ادا نہ کرے

عدو فلک بھی رہا گردشِ زمیں بھی رہی
مگر وہ در بھی رہا اور مری جبیں بھی رہی

نظر میں آیۂ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن بھی رہی
صنم کے پائوں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی

تری اداؤں سے بڑھنے نہ پائی حرارتِ دل
ہنسی جو لب پہ رہی تو جبیں پہ چیں بھی رہی

ہزاروں ظلم ہوئے بیکسوں پہ یاں لیکن
وہی فلک بھی رہا اور وہی زمیں بھی رہی

خلوص اُنمیں نہ تھا اس سبب سے دل نہ ملا
گپیں تو خوب اُڑیں اور چپاتیں بھی رہی

کچھ انتظار میں موقع کے طولِ ہجر ہوا
کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی

میں کیا ہوں خوش اگر اُنکو رہی نہ الفت غیر
ملیں گے اُس سے محبت اگر نہیں بھی رہی

اُسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبر
جسے مشاغلِ دنیا میں فکرِ دیں بھی رہی

ہو رہا اسکا کہ جو ہے مہر کا فر کیش ہے
دل ہمارا کس قدر نا عاقبت اندیش ہے

ترے سحرِ نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اسمیں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آکے میں بیٹھ رہا بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا - میں تمھاری ہی زلف سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے - کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب - مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل - وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نہ نبھی تو پھر اسمیں تھی کسکی خطا - یہ گلا ہے مری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا - مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا - نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا - وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غم ہجر میں جی سے گیا جو گذر - تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی - بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اس چشمِ پرفسوں کی — عقلیں ہزار ابھریں تابع رہیں جنوں کی
تنویر چاہتا ہے گر آتشِ دروں کی — ہو اسکا محو جسنے مٹی میں روح پھونکی
نشتر لگائے جا تو اسے رنجِ ناامیدی — دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خوں کی
اسوقت کوئی دیکھے تاثیر سازِ مغرب — جب ناچ ہو مسوں کا اور گت ہو ارغنوں کی
آفاق پر ہیں طاری آثار شامِ غم کے — اللہ دل کو قوت دے صبر کی سکوں کی

فطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے
دیکھو بہار اکبر اس روئے لالہ گوں کی

کیا پائے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے — وہ کیا برے رہے کہ جو اس سے الگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو گو ہوں گردشیں — ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے

اکبر انھیں کو لذتِ یادِ خدا ملی
سمجھے جو کافری کو اور اس سے الگ رہے

دن رات کی یہ بیچینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار برے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

دنیا کیلئے ہنگامے تھے خلق ایکطرف آپ ایکطرف
اب شہر خموشاں عالم ہو میں بے حد کا کونا ہے

کیوں جی سست ہوئی ہے ہمت دل کیوں رک رہی ہے یا یونہی
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

ترکیب و تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی اے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

جوشش سودا کو طبع لاابالی چاہیئے
منظر مجنوں کو تصویر خیالی چاہیئے

انکے مضمون کمر کا باندھنا آساں نہیں
مدتوں مشاق نازک خیالی چاہیئے

ہر در مے خانہ اکبر کے لئے دلکش نہیں
بادہ صافی چاہیئے اور ظرف عالی چاہیئے

نظر کن سوی او تا نور چشم قدسیاں باشی
بنہ سر بر زمین کوی او تا آسماں باشی

شریک بیکسی بودن ترا با ہمدماں اکبر
ازاں بہتر کہ در بزم حریفاں شادماں باشی

ز فیض راستی چوں سرو گشتی اندریں گلشن
بزن گامے براہ سعی تا سرو رواں باشی

چل رہی ہے جسطرح دنیا کو چلنے دیجئے
ٹل رہی ہے ہاتھ اگر منطق تو ٹلنے دیجئے

قوم اب کہاں ہر اک کی خوشی غم کے ساتھ ہے
سچ تو یہ ہے کہیں کا مزا ہم کے ساتھ ہے

دل کو آما جگہ تیر قضا کرتی ہے
حسن کا حق وہ نظر خوب ادا کرتی ہے

تمہاری چشم فتاں سبکے دلسے ساز کرتی ہے
ہماری آرزو کو کیوں نظر انداز کرتی ہے

بہار آئی ہے گویا اب نجابتگی گلستاں سے
کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی ابھی سے ناز کرتی ہے

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے

شیخ نے ناقوس کے سر میں جو خود ہی تان لی
پھر تو یاروں نے بھجن گانے کی کھلی ٹھان لی

مدتوں قائم رہینگی اب دلوں میں گرمیاں
میں نے فوٹو لے لیا اسنے نظر پہچان لی

روتے ہیں دوست میری لاش پہ بے اختیار — یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اس کی جان لی

میں تو انجمن کی گلے بازی کا قائل ہو گیا — رہ گئے نغمے حدی خوانوں کے ایسی تان لی

حضرت اکبر کے استقلال کا ہوں معترف — تا بمرگ اس پر رہے قائم جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں کل تخت پہ تھے اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے اللہ کی قدرت وہ بھی تھی
پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں اب دیو بھی مجھ سے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دعا ہی کے لئے ہے — جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کیلئے ہے

حیرت ہی میں ختم ہو گئی انشائے زندگی — حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

اس زندگی نے خود ہی کیا ہے مجھے اسیر — مجھکو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خون جگر پینا ہے — پھر خوشی کیا کہ ابھی ہمکو بہت جینا ہے

مجھے آتے ہے سرو دعی تری آرزو بھی نصیب ہے — وہ ہیں تخت پر تو ہے خاک پر وہ امیر ہیں تو غریب ہے

پئے حفظ جاں ہیں جو کوششیں وہ اجل کے سامان ہیں بپا — اور اسی روش پہ ہیں خوش یہ معاملہ بھی عجیب ہے

ترا جلوہ زیب خیال ہے وہی وجد ہے وہی حال ہے — تری انجمن سے ہوں دور اگر ہوا دل تو مجھ سے قریب ہے

اسے انجموں کا خیال کیا جو ہو محو تار نگاہ کا — وہ نظر زمیں پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے

جو خدا کا حکم ہے خوب ہے مجھے تو یہ کبھی نہیں غور کیا — مگر ایک بات ہے وہ غضب کہ بہار اب تو قریب ہے

پیش آجائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی — بت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی

لگا لیا انہیں سینے جو دیں وصل کا طالب ہیں ہوا — کہہ دیا صاف کہ ترکی ہے تو تازی بھی سہی

تارک الوضعوں میں دو چار سے پایا ہے عروج — خیر اٹھتے شہدا سے تو بہ غازی بھی سہی

آسکتے یہ کیسے تحفیز میں غزل گائی مری — تیری خاطر سے اک آہنگ حجازی بھی سہی

ایک دن چشم کرم بھی ہو ادھر اے قاتل
ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی سہی

آرزو دنیا میں کب نکلی اولو الابصار کی
چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

سوز جاں ہوتی ہے جنبش ابروئے خمدار کی
آگ کر دیتی ہے دل کو آب اس تلوار کی

ہے گرانی قلب پر اوہام کے انبار کی
حاجت اس خرمن کو ہے برقِ نگاہِ یار کی

وضوحم ہے زیرِ فلک حسن و جمال یار کی
ذرے ذرے سے عیاں ہے آرزو دیدار کی

دستِ گلچیں پھر رہا ہے شاخِ گل پر بے دریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیبِ زار کی

الفت اٹھی نرگسِ فتاں کی ہے۔ آرام سوز
نیند اڑا دیتی ہے یاد اس فتنۂ بیدار کی

دستِ گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں پیچ کاوشیں
چشم بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی

وہ ادا اسوقت تمنے کی کہ دل تڑپا دیا
اب نہ کہنا بے محل کیا تھی ضرورت پیار کی

خوش ہے دنیا جانتی ہے یہ بھی یونہیں ہونگے خوش
خلقِ عالم کو خبر کیا میرے حالِ زار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

غیر بے ترکیب کیا جانے بھلا آدابِ عشق
کیجئے گا آپ اک دن قدر میرے پیار کی

ہے زلیخا کا سا گاہک حضرت یوسف سا مال
دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی

شعر تر اکبر کے سن اے سامعِ عالی دماغ
قدر کر اے آسماں اس ابر گوہر بار کی

کیا ہے مذہب ایک ملکی اور سوشل انتظام
یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی

صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار
ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی

ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی
یاد رکھ تو بات یہ اک محرم اسرار کی

مفتوں ہو گئے ہم اس بے بقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی اچھے لئے پھول بن کے

ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اٹھتے جو ہیں بگولے برباد ہونگے تن کے

گونجی بہت ہے اس میں فریاد بیکسوں کی
ٹکڑے اڑینگے اک دن اس گنبد کہن کے

غربت میں عمر گذری نام و نشاں نہ پوچھو
نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے

زخموں سے چور ہیں ہم اسکا خیال کسکو
چرچے ہیں ہر طرف بس تیرے ہی بانکپن کے

تھی نیک سعی تیری اے باد صبح گاہی
تجھکو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے

مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیر ملت نو
اس شہر میں بھی مردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائے گی
کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی

یاد اُن کی ہے بہت غفلت پسند
آہ بھی دل سے نکالی جائیگی

نزع کہتی ہے کہ روٹھی تجھسے جان
حشر کہتا ہے منالی جائیگی

اس نزاکت پر یہ شمشیر جفا
آپ سے کیونکر سنبھالی جائیگی

بے تکلف چاہیئے سوز و گداز
شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائیگی

کیا غم دنیا کا ڈر مجھ رند کو
اور اک بوتل چڑھا لی جائیگی

زندگی کی کل ہے پیچیدہ تو خیر
سانس لے لیکر چلا لی جائیگی

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگا لی جائیگی

یاد ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائیگی

پاس خاطر تھا اگر تو رنج کیوں ہمکو دئے
اب عبث ہے اسکی پرسش اب ابھر آیا رو دئے

بوسۂ رخ کی طلب تیر مژہ سے رک گئی
اُسنے شوخی سے رہ گلچیں میں کانٹے بو دئے

مری رسائی ہے دیر میں بھی حرم میں بھی میری منزلت ہے
بتوں سے بوسے کی ہے توقع خدا سے امید مغفرت ہے

جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر زبان پر ہے گلا جفا کا
مرے عمل میں ہے طرز سید نظر میں انداز لاجہت ہے

وصل نے کب سے تجھے سلایا ہے
ہجر ہی نے سدا رلایا ہے

میں نے کب کی نگاہ گل کیطرف
تمنے کیوں مجھسے منہ پھلایا ہے

کیا خوشی ہو جو کوئی آکے کہے
کہ اُنھوں نے تمھیں بلایا ہے

نہ وہ بتکدے کہیں رہ گئے نہ وہ دلبری کے صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے

اب انھیں کے کوچہ کی دھوم ہے نہیں کرتا ذکر ارم کوئی
انھیں ضد بھی تھی اسی بات کی کہ نہ ذکرِ باغِ ارم رہے

مری رندیوں کا ہے خاتمہ ۔ نہ وہ مستیاں نہ وہ ولولے
نہ مے کہن کا رہا نشاں ۔ نہ طریق محفل جم رہے

مجھے کیا امید فروغ کی کہ بتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زباں رہے نہ خدا رہے نہ حرم رہے

کہاں ہم وہ اب لطف باہمی ہے محبتوں میں بہت کمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تزلزل مری اطاعت میں کیا کمی ہے
وہی ہے فضل خدا سے ابتک ترقیِ کارِ حسن و الفت
عجیب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کے بھی قدم رکے ہیں
نہ کوئی تکریم باہمی ہے نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سب نے اگلی رسمیں
نظر مری اور ہی طرف ہے ہزار رنگ زمانہ بدلے
اگرچہ میں رندِ محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو

چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں برہمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے مزاج میں کیوں یہ برہمی ہے
نہ وہ ہیں مشق ستم میں قاصر نہ خون کی یہاں کمی ہے
عجیب منظر ہیں حیرت افزا نظر جہاں تھی وہیں تھمی ہے
یہ صرف تحریر میں ڈیئر سر ہے یا جناب مکرمی ہے
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ نہ گیارہویں ہے نہ اشٹمی ہے
ہزار باتیں بنائے ناصح جمی ہے دل میں جو کچھ جمی ہے
کہ اُن کے آگے تو اس زمانہ میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوۂ جبر اپنا تماشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ
اردو پہ یہ خدمت ہرگز ہے بار

فلسفۂ الفاظ تراشا کرے
لاکھ کوئی کلا و حاشا کرے
خیر اب اس کام کو بھاشا کرے

ہوس میری بصد حسرت بتوں کے منہ کو تکتی ہے
نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے ٹھٹکتی ہے

خموشی سے طریقِ راست پر قائم رہو اے اکبر
نہ جا گفت و شنودِ دھر پر خلقت سے بکتی ہے

نہیں سائنس واقفِ کارِ دیں سے — خدا باہر ہے حدِ دوربیں سے
مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت — کبوتر اُڑ گئے انجن کی پیں سے
بساطِ حلقۂ میونسپل دیکھ — تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

مہوشوں کی مہربانی ہو چکی — چار دن کی چاندنی بھی ہو چکی
عاقبت کا اب خیال آنے لگا — شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی
قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک — اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی
آج تم کرتے ہو ذکرِ انحطاط — مدتیں گذریں کہ دہلی ہو چکی

بجز عمل کوئی راہ اب اسے خدا نہیں ہے — میں کچھ سند نہیں ہوں ہم کا پتا نہیں ہے
تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف ہر جا — جو کورس ایک کا ہے وہ اور کا نہیں ہے
ہر سر میں ہے یہ سودا انجم چھپا گیا ہم — وہ کون ہے جو واعظ بنکر اُٹھا نہیں ہے
اونچے بھٹک رہے ہیں نیچے دبک رہے ہیں — ہے بیٹھا ہی کا سودا دل کا پتا نہیں ہے
جسکو بقا نہیں ہے وہ دلکشا نہیں ہے — جسکو فنا نہیں ہے اُس کا پتا نہیں ہے
اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری — میرا بھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم انکیں جہل کی ہستی کا جھگڑا ہے — یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستی اعلےٰ کا پرتو دل میں پڑتا ہے — جو کچھ اسکے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی ہنسنے دو گھڑی — مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست — سلایا شبِ گور نے سو رہے

رشی یا شاسے تمیز پائیں کیوں خیر الامم پہلے — تکلیں ولیمیں کریں انصاف ہم پہلے کہ پہلا
جماعت اور صف بندی کا ایما بعد کو ہوگا — عزیزوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پہلے

مجھے اک پوسٹ میں بھی وہ حسن تجلی کرتی ہے
یہاں جماعت کو نہیں کچھ دخل اسے صاحب
خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر
جو گزرو گے ادھر سے میرا اجڑا گاؤں دیکھو گے
خیالِ آخرت کا حس نہیں جسکی طبیعت میں

نصیب اچھے نہیں میرے لئے حاتم بھی ممسک ہے
یہ مانا آپ قابض ہیں مگر اللہ مالک ہے
دیا دل جسنے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے
شکستہ ایک مسجد ہے بغل میں گوردوارہ ہے
اسے کیوں منطقی دنیا میں کہتے ہیں یہ مدرک ہے

فطرتی سلسلے میں لطف بھی ہے قہر بھی ہے
اسی میداں میں ہوا تشنہ لبی سے میں ہلاک
کیمپ ہی میں نظر آتی ہے انھیں قوت قوم

خوان الوان پہ یہاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے
اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے
ورنہ بسنے کو تو دیہات بھی ہے شہر بھی ہے

کبھی نہ ہوا تھا دل ایسا سینے میں کھٹک دیرات نہ تھی
اب نشوونما کا وقت نہیں اب عمر نہیں امیدوں کی
تفریح و سفر کا شوق نہیں ملی ہے نہ اب کلکتہ ہے

پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے روئے تھے مگر یہ بات نہ تھی
دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں قوت ہی نہیں تمہید وہی
عشرت کیلئے کافی ہے دعا ہاشم کا خیال البتہ ہے

آپ سے بیحد محبت ہے مجھے
شاعری میرے لئے آساں نہیں
زور رندی ہے نصیب دیگراں

آپ کیوں چپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے
جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے
شاعری کی صرف قوت ہے مجھے

نعمت یورپ سے میں واقف نہیں
دیدیا میں نے بلا شرط اُن کو دل
برہمن سے میں نے کرلی دوستی

دیں ہی کی یاد ہے بس کہتے ہیں مجھے
مل رہیگی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے
بت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

قبل از غرور و ناز حکومت کی فکر کر
میں نے جو دل کو پیش کیا اُسکے سامنے
پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی

زہدیت کے واسطے سامان چاہئے
کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہئے
مذہب نہ چاہئے مجھے ایمان چاہئے

نہیں دشوار کچھ صحت پر اسکی شرط بدنا ہے

جو دنیا دار ہے وہ قاعدے کی رو سے اولیٰ ہے

سند مجھکو ملی تو چل گئے واعظ۔ لگے کہنے
تغری کی ہو گئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
سند جب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے

یہ جگنو بھی تنہا ہی روشنی سے ملتے جلتے ہیں
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

رنگ شراب سے مری نیت بدل گئی
واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی

طیار تھے نماز پہ ہم سنکے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام
پروانہ بیقرار ہوا شمع جل گئی

عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

چشم غفلت کی ہے دنیاوی نتائج پر نظر
دیدۂ تحقیق میں دینی خوش انجامی بھلی

پختہ ہوکر اپنی شاخ وبن سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

میدان عمل لیک کا محدود ہے بیشک
ہاں رقبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے

ہے کام آہی کام آ جو پڑھے دھر کا نامہ
جز موت کہیں اسمیں فل اسٹاپ نہیں ہے

یہ دنیا رنج وراحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کہ کسپر کیا گذرتی ہے

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانیکو
یہی ذرّے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے

وہ وہ ذرّے بلا اذن خدا ہل ہی نہیں سکتے
کہ جنکے میل سے سائینس کی قوت ابھرتی ہے

جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے

زباں میں تمکنت بھی ہوں اگر وہ حق پرستو کی
سہم تبصہ جاتی ہے نیت کی خوبی کام کرتی ہے

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبّہ و دستار پر
ایک دن آنکو فلک سر بند ھولے دھوتی ہو ہی

اپنی اسکولی ہو پہ ناز ہے اُن کو بہت
اپنی دھن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انھیں

کب میں ناچے کسی دن انکی پوتی تو سہی
نذر مجنونِ ترقی ہو یہ موتی تو سہی

فساد اُٹھتا ہے فتنہ آپکی محفل سے اُٹھتا ہے
عدو پہلو میں ہو لیکن تو وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تمکو نہیں آتا
تمھیں کیونکر دکھائیں وہ دھواں جو دل سے اُٹھتا ہے

اُٹھانا بار الزامِ ستم کا شاق ہے سب پر
یہ آسانی مگر یہ بار اُس قاتل سے اُٹھتا ہے

سخن وہ دلنشیں ہے جوش خاطر سے جو پیدا ہو
کہ دل میں بیٹھ جاتا ہے جو ہی جو دل سے اُٹھتا ہے

الٰہی فرقتِ محبوب میں کیونکر بسر ہوگی
نہ دل اُٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اُٹھتا ہے

سوا میرے کہ بیٹھا ہوں تو اُٹھ جانیکا ایما ہے
بٹھایا جاتا ہے پھر جو تری محفل سے اُٹھتا ہے

نزاکت پر ستم ہے اُنکا جوڑا اسقدر بھاری
دوپٹہ بے مصیبت پائچہ مشکل سے اُٹھتا ہے

بت زہرہ جبیں نے پھیر دیں چھیڑی ہے اے اکبر
نمازِ صبح کو اس وقت تو محفل سے اُٹھتا ہے

عجب فتنہ خرام نازکِ قاتل سے اُٹھتا ہے
سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

تحمل تا کجا ٹوٹا ہے اک لشکر مصیبت کا
مدد یا رب قدم اب صبر کی منزل سے اُٹھتا ہے

ہوئی مدت کہ دنیا سے مرا دل اُٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلہ یادِ رخ رنگیں دل سے اُٹھتا ہے

اُٹھاتے یوں تو سب ہیں بار دنیا طوعاً و کرہاً
خوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط عاقل سے اُٹھتا ہے

نہ پائیگا کبھی اصلی مسرت طالبِ دنیا
پر اُسکا ہاتھ کب اس سعی لاحاصل سے اُٹھتا ہے

ترقی کی اُدھر گھوڑدوڑ اِدھر بیمار جاں تک
وہ آسانی سے کیا دوڑیگا جو مشکل سے اُٹھتا ہے

سراپا اک نگاہِ شرمگیں ہے وہ پری پیکر
کہاں آنکھیں اُٹھانا آپ وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہجوم آرزو اس دودِ آہ دل سے ہے پیدا
ورود کاروان ہو تب دھواں منزل سے اُٹھتا ہے

فغاں ہی کی صدا گرداب کی جانب سے اے اکبر
خوشی کا غلغلہ کمتر لبِ ساحل سے اُٹھتا ہے

اثر ہے شوق کا صحرا ملے مجنوں نہیں پر لیلیٰ
بگولے پر بگولا سا یہ محمل سے اُٹھتا ہے

کچھ ایسی دلفریبی ہوتی ہے اشعار اکبر میں
کہ شور مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اٹھتا ہے

ظرافت

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہو گیا
کم کا مطلب ہی کمانا ہو گیا

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے
تیغ ابرو کا تھا عاشق خاں بہادر کر دیا

لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا
لڑکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہ ہیں لیکن
ہے لطف بحر ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

کہتے ہیں شاعری یہ تری بے اصول ہے
کہتا ہوں صاف میں تو نہیں تجھکو مانتا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی
تو آپ کے سوا کوئی مجھکو نہ جانتا

بی۔اے کی کمال کامیابی ہے یہی
سروس کے لگاؤ سے معزز بنتا

بہتر ہے یہی لے دل کھہ لیت نہ تو لولا
دنیا کے حوادث پہ واللہ سکوت اولیٰ

شائق تحقیق کے یہ مضمون سن لیں
انسان کی شکل جیسے میمون بنا
پاجامہ بھی یونہیں ارتقا سے بدلا
سمٹا ابھرا غرض کہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

بوزنے کو ارتقا نے کر دیا انساں تو کیا
انقلاب حرف نے سولی کو ولیم کر دیا

ناواقف وزن شعر مجھکو جو کہے
اُس کے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بلبل کو بھی بے سرا وہ کہدے گا کبھی
ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا

مغرب کی نعمتوں نے اسٹیج کو سنوارا
بجنے لگا پیانو چپ ہو گیا چکارا

بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا
دل می‌رود ز دستم صاحب دلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں مری نظر سے وہ ساحلِ دل آویز
ناکامیوں کی موجیں بہنے لگیں بہت تیز
اسٹیمر اپنی ہمکو دیتے نہیں یہ انگریز
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

مشرق کے حق میں مہلک مغرب سے ہے یہ پیوند
بدنامیوں سے بچ تو اے مصلح ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی میں نے ہر چند
در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند
گر تو نمی‌پسندی تغییر کن قضا را

خوش چشم آہوؤں نے صحرا میں یہ اچھل کود
موسم بھی روح پرور ساقی بھی حسب مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقویٰ کی فکر بے سود
حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

فہمیدنِ معانی ہر طبع کے تواند
لذت بیابد آں دل کو راز ہا بداند
موجے بسینہ خیزد در شوق غرق ماند
گر مطربِ حریفاں ایں نظم من بخواند
در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

یہ صندوقِ کتب بھاری ہے یارب اٹھ نہیں سکتا
یہ ہے مذہب۔ تو مجھ سے بارِ مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پیدا جگہ اللہ نے غربی مشینوں کو
زمیں سے غمزۂ انجینیری اب اٹھ نہیں سکتا

مشرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب
ہر چند کہ ہے غمِ اسیری غالب
مستی اکبر کی رقص مس سے نہ ٹرکی
بھوتر سے یہ نہ ہو سکی بھنبھیری غالب

اکبر اسی ہوس میں بنے ہیں کلوخ کپ
اسکے خوشا نصیب جسے ہو سبوح کپ
اب شیخ شہر رہ گئے مردوں کے واسطے
زندوں کو لے مرینگے ہمارے شیوخ کپ

شیعۂ من بے محیط و سنیم بے مرکز است
سے روم سوئے کلیسا طالبم خشت از رست

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ
یہ بھی کہینگے پھیلی خدائی بزورِ موت

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے
ہو گئی اب خیال کی اصلاح

ہر چہ از باپ میرسد نیکوست
ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دینِ نیچری بستیم امید
ولے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ

ترقی را چو آمادہ برآمد
چو ہم برداشتیم مادہ برآمد

مارا فلک فشاند بہ پہلوے آں صنم
اکنوں کراد ماغ کہ پرسد ز پاتیر

مدہوش لذتیم و ندانم دگر چہ کرد
کرزن چہ گفت و بل چہ شنید و ملر چہ کرد

رفت دنبالِ ڈارون آں شوخ
سگِ اصحابِ کہف روزے چند

بوزنہ ماند و آدمی گم شد
پئے نیکاں گرفت مردم شد

ما نیچری شدیم و نداریم آگہی
اکنوں کراد ماغ کہ پرسد ز جبرئیل

با دیگراں نوشتہ کلکِ قضا چہ کرد
احمد چہ گفت و او چہ شنید و خدا چہ کرد

ہیٹ را نہ بر سرِ من جائے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا قبلہ شود

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو بنگلو نیں بلیں ہیچ کر
بھلا پایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر

عہدِ انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نیچر
کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نیچر

بے پاس کے تو ساس کی بھی اب نہیں ہے آس
موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر

مصارفِ سفرِ لندن نہ ہو سکے برداشت
غرضکہ یاروں میں افیون ہی گھلی آخر

شیخ نے عشقِ بتاں کے وہ طریقے سوچے
کہ ہو گئے دیر میں بھی اب پٹے حضرت مشہور

مشرق سے تجھے اگر ہوئی ہے نفرت
للہ اکبر نماز مغرب تو نہ چھوڑ

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر
نظر آسکتی ہے اب رونقِ مذہب کیونکر

کار دنیا سے فراغت ہی غریب و نکو نہیں
پھر کہیں اُنسے اِلی ربک فارغب کیونکر

میں ہوا رخصت اُٹھنے لے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہکر

پاے در پتلون و دل در پیشواز ۔۔۔ چند روزے باہمیں حالت بساز

کر لیا بی بی نے انکی انٹرنس اس سال پاس ۔۔۔ والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن خوش ہیں ساس

لاٹھی شباں اٹھاے اگر ذیب کے خلاف ۔۔۔ ہے ظلم اسکو کہئے جو تہذیب کے خلاف

موج نصیحت اکطرف دل کی روانی اکطرف ۔۔۔ گل شیخ پورہ اکطرف میری جوانی اکطرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چاے ۔۔۔ نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

انجن کو یہ آگ ہو مبارک ۔۔۔ انگریز کو بھاگ ہو مبارک
دہلی کو سہاگ ہو مبارک ۔۔۔ قومی ہیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں بجتے ہیں ارکان لیگ ۔۔۔ بفضل خدا سب ہیں میرے کلیگ
مگر اُٹھنے ہے مجھکو تخصیص خاص ۔۔۔ کہ ہے نام کے ساتھ جنکے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر ۔۔۔ اسپیریٹ مذہب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر ۔۔۔ بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
سائنس نے کر لیا تھا منظور انتیس ۔۔۔ نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

بیٹ ہی کو کر لیا جب قوم کے سر نے قبول ۔۔۔ دخل انگریزی پہ اردو کی شکایت ہے فضول

فتنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم ۔۔۔ مہر ابراہیم باقی ۔ دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ زر مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم
شہر دل کیواسطے اب ان نیتوں سے کیا امید ۔۔۔ کر چکے ہیں بھائی صاحب ہمنو ہفت اقلیم گم

وہ مٹانے میں بھی بتاتے ہیں ۔۔۔ کہتے ہیں نال جاؤ منسا رام

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولیٰ ۔۔۔ تقلید و مہر لیکن بیہودہ است ہوشم
سوداے گفت در شعر و منع طلب بر ۔۔۔ دانم چرا نگویم دارم چرا نپوشم

کریما بہ بخشائے برحال قوم	صلوٰۃ است رائج دراں شان خصوص
مرے ملکو وہ لٹنے کیوں سمجھتے ہیں وہ اخبار کے کالم جدھر صاحب ادھر دولت جدھر دولت ادھر چندہ	کوئی پیر شیخ سے کہدے کہ شیخ نے قبلۂ عالم جدھر چندہ ادھر آنر جدھر آنر ادھر بندہ
رہ گیا دل ہی میں شوق سایۂ الطاف خاص کھا نیکے کرسے رخصت کردیا بعد از ڈنر	مجھکو آنے کی اجازت وہی نہیں بزم میں تھیں فقط چھریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں
مغربی دھول کا سر تک پہونچتا تھا اثر	اسقدر بات بہت خوب تھی عمامے میں
ابھرے ہیں عیب انکے اور خوبیاں لی ہیں اپنوں کو بد بنایا بندر کو جد بنایا اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے	بیدین اگر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں بت کو صمد بنایا کیا خوب قرشی ہیں اور کہدیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں
حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں طریق مغربی سے کھیل آیا کرسیاں آئیں امنگیں طبع میں ہیں شوق آزادی کا بلوا ہے	سپے تکریم مہماں بن سنور کے بیبیاں آئیں دلوں میں ولولے اٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں کھلینگے گل تو دیکھوگے ابھی کلیونکا جلوا ہے
مجھے سنا کے یہ کہتا تھا ایک طفل فہیم سبب ہے اسکا مگر صرف ضعف ملت و دیں کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کس کا	یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں بزرگ ہی نہیں باقی ادب کریں کسکا
دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں مری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت	بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں
جب سے شیخ ملا وہ جا بسا بستی سے بنگلے میں	مزا دیتی ہے تحریک الفت قومی کی بنگلے میں
شیخ جی تھا برہمن بیٹھے ہو سب گاتے تھے بھجن میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کہہ	نگراں ہو سکے برہمن تجھے بشوق بھوتن ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند
بہت کٹڑ وہ آپہنچے نہیں حکمت اسکو کہتے ہیں	نہیں سمجھا خیر خواہ انکو حماقت اسکو کہتے ہیں

نئے سلیقے انکو کفر سے پا کے قریں یہی کہتی تھی گو ہر زہرہ جبیں
یہ موئے تو حرج ہیں دشمن دیں - ارے انکا تو کوئی خدا ہی نہیں

نئی سڑک پہ چلکے تھکینگے بہت بڑے لوگوں کے منھ کو تکینگے بہت
یہ کبیٹو نہیں تو بکینگے بہت - وے سجدے میں شوق خدا ہی نہیں

سُنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ	گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں
تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے	پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا ہے نہ وہ جوبن املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن
جو رفاہ سد کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں عقل سپرد ماسٹر مال سپرد آں جناب	تفرقہ دیکھئے ذرا ہم یہ ہیں عجیب دن جان سپرد ڈاکٹر روح سپرد ڈارون
پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے	نہ آنکھوں میں انجن نہ ہاتھوں میں منجن کہاں کھینچ لیجائے گا ہم کو انجن
دین سے دور ہیں مسجد سے پھرے جاتے ہیں میں نے مانا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن دو خبر انکو خدا سے جو پھرے جاتے ہیں	پھر بھی اس بت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں کہ بتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں
پربا پہ شیخ جی پکارے کہ ہم تو اب بھی مطیع رب ہیں گر بھوت ایک جھٹکے بولا حضور پروا کرے ش انکی	کہا کسی نے یہ مسکرا کر بڑے میاں تم بڑے غضب ہیں ضعیف خستہ خدا بھی رسوا یہ ہیں اٹھ جوان شب ہیں
اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر	گو آپ نے بہت کہا کہا کچھ بھی نہیں شیطان چلن کے سوا کچھ بھی نہیں

بتوں نے وہ ترقی کی جمال روح پرور ہیں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دلسے عاشق ہوگئے انکے
کہ پھر انکو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
مزا ہے میں اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے
ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض
اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

بنے بندر سے ہم انساں ترقی اسکو کہتے ہیں
ترقی پر بھی نیٹو بد نصیبی اسکو کہتے ہیں

یہ نہ پوچھو مجھسے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں
شیخ یہ سوچو تمہارے پاس پیسہ کیوں نہیں

سامنے کوچ پر جو لیٹی ہیں
ہوں علالت سے میں جو زیر علاج
حکم دیتا ہے مجھکو اس کا دیں
کین صاحب کی پیاری بیٹی ہیں
روزہ میرا قضا ہوا ہے آج
Miss Keen
اس لئے کی ہے دعوت مسکین

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں
مزاِ خشش تھے قبل اسکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نیست کس مصروف کار دین تو قلب مطمئن
یک فنا فی الآخرت ویک فنا فی الڈارون

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ
وہ بگڑ کر بول اٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
اکبر اٹھتے کیوں نہیں واعظ ابھرتے کیوں نہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
نہ دل سے ہم کو ستے ہیں مگر
کہ ٹرکی کے دشمن سے کا کریں
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

حکومت سے سبکدوشی ہے حاصل
غنیمت ہے شب فرقت کی فرصت
رکھو بحث ترقی کو نظر میں
رسالہ لکھو تحقیق کمر میں

بے نمازو نہیں ہیں وہ اور اسپہ شر پاتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گھبراتے نہیں

انکے حسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں
گو خوشامد ہے بڑی چیز مگر کرتے ہیں

نہ دل لیتا ہے بسکٹ پہ نہ میں پوری سے بچتا ہوں
دل تنگیں ہے یہاں میلا رچانیکی ضرورت کیا
مذاقی حاشیے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
اکیلا بیٹھ کر لیلا کی صورت خود ہی جپتا ہوں

یہ بنگالی ہیں جو ثابت مجھے میرا سقدر اثقل
بحمد اللہ کہ غربی پیٹ میں میں خوب پچتا ہوں

سے حکومت کی جب یہاں رہی
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں
حنفی نفی ہیں معطل ہیں
اب ہمارے امام حانبل ہیں (Humble)

آنہ اگر ملے جو ہے نام و نمود میں
کیا حرج زندگی ہو اگر حال زشت میں
دوزخ کے داخلہ میں نہیں انکو عذر کچھ
فوٹو کوئی لگا دے جو انکا بہشت میں

کرتب دکھلائیں ممبری کے کیونکر
جو پیر ضعیف قوم مفتوحہ ہیں
پی لیگ سے کہدے کوئی حالت میری
کیوں مجھ سے خفا جناب ممدوحہ ہیں

مد نظر ہے انکو مری صحت کا خیال
افسوس ہے یہی کہ حریص و خسیس ہیں
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم
ایمان لائیے کہ یہ لڈو نفیس ہیں

ورچوئس دیکھتے ہیں وہ نہ سنر دیکھتے ہیں (Sinner & Virtuous)
فرنیچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
انو لکھے ہیں مشاغل حضرت اکبر کے ان روزوں
الم ترکیف بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیلخانے میں
مرید انکے تو شہروں میں اُڑے پھرتے ہیں موٹر پر
نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی اب تک میانے میں

ووٹوں کے خواستگار ہیں شیخ جی گھر پہ ہیں
بارہ برس پہ آخر گھورے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام جن سے وہ مسیح ہو گئے ہیں
جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنالو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں یہ اُس سے کہئے جو شیطان ہو

مانتے ہی جاتے ہیں ناداں جب اُسکے قول کو
ہے یہی بہتر کہ واپس لیجئے لاحول کو

ہر آرزوے دل کی تم پیچ نہ کرو
لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے
ٹچ پوائنٹ یہ سخت ہے ایسے ٹچ نہ کرو (Touch Point)

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

۵ نیکوکار ۵ فاسق گنہگار

کہدیا صاف ہم نے اے مہراج
ما مقیمان کوے دلداریم
ہو مبارک تمھیں یہ کام یہ کالج
یا ڈپوٹیشن است یا غم سیم

باتیں ہرگز خلاف غیرت نہ کرو
بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
دم بھر کبھی شرارت و بغاوت نہ کرو
پتلون پہن کے ترک طاعت نہ کرو

انھیں دھوتی مبارک ہو انھیں تہمد مبارک ہو
مجھے پتلون اور یاروں کو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لیکر اب بھی گلا ہے جائز
لیکن اسکو بے۔ لے۔ام لے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندوؤں سے ہم یہیں کے ان سے پیتے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو
مگر ہاں شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

نون تمنا کو میں ہے کیوں میم سے لکھتے ہیں لوگ
آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے
مدتوں تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو
میم نے ماہی کے نگلا حضرت ذوالنون کو

انکی کل کوششیں تھیں پولیٹکل
کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
اسکو خالق کی حسبت وجہ نہ کہو
قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں | عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو
شیخ صاحب یہ مئے سرخ مجھے تو ہے مفید | شغل کچھ آپ بھی فرمائیں جو انکار نہ ہو
مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں | شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بیزار نہ ہو
پھیر سکتی نہیں تقویٰ سے مجھے کوئی جدل | شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو
توپ کی طرح چل اس عہد میں گو منہ ہو سیاہ | سرخروئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو
آپ کی جنبش ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ | سچ تو یہ ہے نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو
ابر فکر آپ کا برسا تو بہت اے اکبر | اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو

ہوا اکبر سے بھی لوگ ہیں اسوقت کے شیخ
دل سے پیغام رساں جاتے ہیں خالق کیطرف
گو تبرک ہے یہ لے شیخ ولیکن ہے ثقیل
شیخ صاحب کی حماقت کی نہ قلعی کھل جائے

آل سید کو برا کہہ کے گنہگار نہ ہو
ہمکو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو تار نہ ہو
دیکھئے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو
لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا ہنوں پر اثر کے ساتھ
ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہوا انکا ہم سفر

ساری بھی آنکھ ہوگئی غائب کمر کے ساتھ
موج انکا اے حباب ٹوٹے تو ابھر کے ساتھ

احتمال فتنہ ہے ہر مجمع و ملت کے ساتھ
چھوڑکر صحن حرم اکبر ہے محو طوف دیر

گشت کرتی ہے پولس بھی شیخ کی جنت کے ساتھ
عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلینگی کنواری لڑکیاں
یہ تو کیا معلوم کیا موقعے عمل کے ہونگے پیش
مغربی تہذیب آگے چلکے جو حالت دکھائے
اوج قومی سے شرافت کا ہما گر جائیگا
ڈالدے گا سینۂ غیرت سپر میداں میں

دلکش و آزاد و خوش رو۔ ساختہ پرداختہ
ہاں نگاہیں ہونگی مائل اسطرف بیساختہ
ایک مدت تک رہینگے نوجواں دل باختہ
ماکیاں سے پست تر دکھلائے دیگی فاختہ
تیغ ابرو ہی نظر آئیگی ہر سو آختہ

کریکا بہ بخشائے بر حال بندہ
کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

نئی پرانی روشنی کی مکالمت
نئی روشنی کی تعلی

پھرتے ہیں تذکرہ کالج و اسکول کے ساتھ
معترض گو نہیں دینے کے کبھی بھول کے ساتھ

خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر او پھول کے ساتھ
مستقل چال میں ہم اپنی ہیں معمول کے ساتھ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں
دوسری پشت ہے چندے کی طلبگاری میں

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلّی کا یہ فیر
معترض کون ہے جب آپکی نیت ہے بخیر

اب تو سب آ چکے اپنے ہی ہیں کم رہ گئے غیر
نہ حرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نہ دیر

آپ کو لطف گورنمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہمیں تا بقیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر
غربا ہی سے تعلق میں ہے اُنکو تو مفر

دور ہے اُنسے خود آرائیِ مغرب کا اثر
بحث اُن کی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپ کا دل رہِ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجئے چین غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلوں میں ہیں مسرور تو پھر ہمکو کیا
آپ مسجد سے ہوئے دور تو پھر ہم کو کیا

آپ عہدوں پہ ہیں مغرور تو پھر ہمکو کیا
جاہ ہے آپ کو منظور تو پھر ہم کو کیا

ہمیں اُبھرینگے کبھی گو ابھی پستی میں ہیں
آپ وہموں کیطرح دامن ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے بازاری بھی درباری بھی
اِک مصیبت ہے جوانی بھی زمینداری بھی

ہے طریقِ جدید خشک مزاج
میرے حق میں قدیم چال اچھی

گو کہ اسمیں ذرا ثقالت ہے
پھر بھی بسکٹ سے شیرمال اچھی

مچھروں سے سب کے پیتا ہے خونِ خالص
فضلہ اسے نہ سمجھو صاحب یہ بیچین کیوں ہے

اُڑنیکی طاقت اسکو فطرت نے کیوں عطا کی
یہ نشتر ملایم ایروپلین کیوں ہے

مشرقی غربی چپیٹ میں ہے
دل سینے میں تھا سو پیٹ میں ہے

کیوں اُسکو ہے مولوی پر ترجیح
کیا بات گریجویٹ میں ہے

کیسہ خالی ہے بکس خالی
جو کچھ ہے یہاں پلیٹ میں ہے

زبانِ اکبر کی اس طرزِ سخن پر ناز کرتی ہے
معزز کرتی ہے انکی نظر ممتاز کرتی ہے
معاشر کمپ میں کیوں جا بسے مجھسے یہ پوچھا ہے

بھجن کی دھن میں یہ دیدیت طناز کرتی ہے
بس اتنا ہے ورِ اسحاد کو بھی باز کرتی ہے
مثالِ اولیں خود تجھپہ کشفِ راز کرتی ہے

تدبیرِ حفظِ جان بقیہ ضرور ہے
اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

لیبٹ بھی جا - نہ رک اکبر غضب کی بیوٹی ہے
نہیں نہیں پہ نہ جا یہ حیا کی ڈیولی ہے

جو پوچھا میں نے ہوں کسطرح ہیپی (Happy)
کہا اُس مس نے میرے ساتھ رہے پی

چیز وہ ہے بنے یورپ میں
بات وہ ہے جو پائنیر میں چھپے

چار آیا اک ایسا جھولا جھولے
جنت کا خیال ہے نہ باغ - دل کا

قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے
گملوں ہی پہ اب رہتے ہیں ہم پھولے

روح پرور نہ سہی نشہ ذرا تیز تو ہے
نہ سہی سعیِ قومی فقط الفاظ سہی

نوجوانوں کے لئے ولولہ انگیز تو ہے
چند احباب کا اک شغلِ دل آویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نمازِ عید بھی
تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی
وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربارِ سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی
رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر

مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی
لمنیڈ ہے اور وہسکی سندہ ہے او رندی

الفت نہ ہو شیخ کی تو عزت ہی سہی
بگڑا ہے جو دل زباں ہی کو روکو

مرشد نہ بناؤ انکو دعوت ہی سہی
رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی

رفتارِ ترقی یہ کہیں ناچ نہ ہو جائے
توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل

یہ قرأتِ مصری کہیں کھانچ نہ ہو جائے
مغرب کی مگر کوک سے یہ آنچ نہ ہو جائے

اڈاؤں سے سوا بیدارکن انجن کی سیٹی ہے
کہاں باقی ہے ہم میں وہ اورادِ سحر گاہی

اسی پر شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے
وظیفے کی جگہ یا پانیر I. D. T. ہے

گئے شربت کے دن یارو نکلے آگے اب تو اے اکبر
کبھی سوڈا کبھی لمنڈ کبھی ہسکی کبھی ٹی ہے

گل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

اغیار تو دنیا ہیں اٹھائے ہوئے سر پر
ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اٹھتا نہیں سر بھی

اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہے واقف
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اس بت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنّی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بنسی
کیا لہریں لیا کرتے ہیں یہ کانفرنسی

دیر میں محو جبیں بھی وعظ میں قبلہ رو بھی ہے
شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے

بت پہ جو پھر پڑے تو خوش سجدے میں گر پڑے تو جا
وضع نئی چلن نیا مست بھی ہے وضو بھی ہے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیرس کا ہے سوپ ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی
پیدا وجہ نصیحت ایک نیک ہوئی

لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی
مِس کو جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک ہوئی

وہ تو گرجا پر گرا اور یہ گیا کعبے کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں وہ ہر اب مشغول ہے
مغرب و مشرق میں اک عامل ہے اک معمول ہے

جسم و جاں کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا
تھا جو مکروہ اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے

مطلع انوار مشرق سے ہے خلقت بے خبر
مستند پر تو وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے

گلشن ملت میں پامالی سرافرازی ہے اب
جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظر میں پھول ہے

کوئی مرکز ہی نہیں پیدا ہو پھر کیونکر محیط
جھول ہے پیچیدگی ہے ابتری ہے بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پہ گالی ہے
کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

ہمایون مگہ عطیٰ

قابلِ رشک ہے زمانے میں — دن وکیلوں کا رات عاشق کی
شد یشی گورنمنٹ سے پل گئی — یہہ بالی پیپرمنٹ سے بچ گئی

افسردگی پہ اُسکے انکا دل جو تڑپنے — کل شب کو کہا بیٹنے یہ محبوب سے اپنے
گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت — ہے حُسن خداداد وہی اور وہی صورت
سونے ہی کی تدبیر پہ فقط مجھکو نہیں غش — پھولوں کی بھی بڑ ہی ہے ترے سینے پہ دلکش
جو دل کہ تری پھولونکی بدہی کو نہ پوچھے — برباد ہو ایسا کوئی اُدہی کو نہ پوچھے

تہذیب علی زباں اُس شوخ کی یہ کون کہتا ہے — میں جب جاتا ہوں اُسکی بزم میں ہٹ ڈون کہتا ہے
وضع سابق سے بت ہندی کو سیری ہو گئی — ہو مبارک ملک کو میت کیشری ہو گئی
ہیٹ پھونچی شیخ کے سر پر جو دلکے جوش سے — اور بھڑکے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے
ٹنگنے صاحب ہنر صاحب کا کیا ہے آپ ہیں — کیا کلیں ٹپکینگے سقفِ بنگلۂ خس پوش سے
باغ امید کے پھل ہوتے ہیں روز ضائع — ہمکو خدا بچائے اولاد ڈاروں سے

بیدل نہیں ہیں بروز سلو تو نہ کیجئے — للّٰلہ بات مانئے تو تو نہ کیجئے
تحمل کی صد انہ خوبیٔ فطرت نہ لطف دید — بہتر یہی ہے خواہشِ فوتو نہ کیجئے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپکے آگے — بھرتے کی ہے کیا اصل مٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیر چشم ووٹ طاری ہو گئی — صفت شیخ و برہمن میں فوجداری ہو گئی
ہندوونکو کیوں نہ اب بھائی بنائیں صلح دوست — آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہو گئی
ممبری پہ جنگ ہو ابھیں گئو کا کیا قصور — ملک میں بدنام ناحق یہ بچاری ہو گئی
کرتے ہیں بائیسکل پہ خوب وہ وضع پلچ — ابتو بیلین ارغنوں کا یہ سواری ہو گئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے — بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلمونکو بہکایا ہے — کامل کب اُنکو علم و فن آیا ہے
جو فلسفی ہیں اصل وہ ہیں خاموش — الحاد تو ٹیٹیوں نے پھیلایا ہے

کیا صبح شب وصل اسکا بوسہ میں نے پیچ ہے
اسی پر بول اٹھی وہ شوخ مس یہ فائنل پیچ ہے

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی سدھلے
ظاہری کے سمت اہل باطن بھی سچلے
مجلس پہ ہوا اضافۂ کانفرنس
مسلم تو جا چکے تھے مومن بھی چلے

اس مس کی زباں رات جو لی میں نے دہن میں
بولی کہ تری راہ ترقی میں یہ ہیج ہے (Hedge)
میں نے کہا اسکا اثر شرق ہو نہیں اے مس
چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے (Second Language)

دنیا آخر کو تم سے لپٹی
ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی
کرتے گیا اُن سے جھنبٹ خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سنی میں جنگ اک دھوم دھام ہو گئی
چار یار اور پنجتن کی نیکنامی ہو گئی
کیا شرف بخشینگی تم کو عرش پر یہ کاوشیں
جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہو گئی
ایک قرآں ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول
بد نصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہو گئی
مومنان امن جو کو دیر کی سوجھے گی اب
جب حرم کے صحن میں بد انتظامی ہو گئی
اشتعال آتش افسردہ اس طوفان میں
پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہو گئی
جس نے کھولی پھر صلح و آشتی اپنی زباں
پیش حق مقبول اسکی خوش کلامی ہو گئی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

اکبر بھی قوی کام کو اٹھے بشوق مغفرت
ہز ہائینس سے ہم عناں ہز لولینس بھی ہو گئے (His Lowliness)

مجھ کو ہے پسند اس سبب سے یو۔ پی
یعنی یو پی کا قافیہ ہے روپی
ہے فصل بہاری بھی ہم آہنگ اسکی
جب آتی ہے کرتی ہے اشارا تو پی

دور یونیورسٹی میں ان کی ترقی ہے ضرور
شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگریدار ہے

شیخ کو گاندھی کے سلیقے سے
چھین کر مغربی طریقے سے
متفق اس پہ ہو گئے کہہ دو میہ
اب تو یہ مسئلہ ہے متفق بہ

کاشی کے آگے ٹیمز کا دلچسپ پاٹ ہے
گنگو کی جانفزائی گنگا کا گھاٹ ہے

ڈوبے ہوئے ہیں یہہ بھی مگر اپنی بات میں
پیرو بھی بہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہہ اتنی ستر پوشی تیری اے ترقی غنیمت ہے
دئے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

انظر الیٰ الابل کا تصور جو دل میں ہے
یہہ وجہہ ہے کہ آجتک آنرابل میں ہے

کمسریٹ اب بھی اسکا ہے محتاج دیکھئے
معذور اگرچہ اسکا قدم آب و گل میں ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہ مغرب میں یہہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہونچے اور ہم سے چھٹ گئے

شوق ہے جن کا نہ طاقت پاپ کی
ہو چکے ہنگلی کے لکچر اب ہمیں
قطر جو کچھ ہو محیط اک انچ ہے
شیخ جی قانع ہے گھر میں تو جسم

سب ہیں بس پڑھتی مناتے آپ کی
فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی
دھوم ہے انکی کمر کی ناپ کی
ورنہ اب مٹی ہے ہستی آپ کی

رہتا ہے دنیا سے اسکو جس شخص کا جتنا حصہ ہے
ہے اتنی بات ٹھکانے کی باقی تو کہانی قصہ ہے

وہ فرماتے ہیں اے اکبر یہہ روزہ اک قیامت ہے
بجا ارشاد ہوتا ہے مگر افطار جنت ہے

میں نے جو کہا دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیسا جوبن ہے
وہ ہنسکے لگے کہنے صاحب قوم نہیں ہے یلٹن ہے

عزیزانِ وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس
یہہ اتنی گوشمالی طفل مکتب کی نہیں اچھی
مری ملا اوجھی سے رہتا ہے وہ بت انکار پر قائم

چرٹ اور چائے کی آمد سے حقہ پان جاتا ہے
زبان آتی ہے اسکو سچ ہے لیکن کان جاتا ہے
مگر جب دل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی ہیں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
نہ مانا شیخ جی نے چلکہ گئے دس پانچ یہ کہکر

مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مالک ہے
اگر قابض ہیں یہہ بسکٹ تو ہوں اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہہ بری عادت تمھاری ہے
مری جان اسمیں اک دن احتمال خودداری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزم رنداں بھی
فقط پیر مغاں تھے آگئے اب پیر [illegible]اں بھی

شیخ جی ہیں دیر کے سائل بس اتنا فرق ہے
مجھ کو بوسا چاہیئے انکو سمو[illegible]سا چاہئے

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لئے — بت تو تھے ہی مرے معشوق برہمن بھی سہی
کھول کر در کو کہا اُس بتِ اسکولی نے — جب نقاب اُٹھ گئی آگے سے تو چلمن بھی سہی
کاش کر لے مجھے وہ شاہدِ ہوٹل منظور — کیک تو روز ہے اک رات متنجن بھی سہی
سنتا ہوں قبر مری ریل میں آجائیگی — خود مٹا ہوں جب اسی راہ میں مدفن بھی سہی

قلی اک اس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا — مرے دل میں خیالاتِ بلند آنے نہیں پاتے
سٹرک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے لطفی — یہاں سایا نہیں ہے اور وہاں گانے نہیں پاتے

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منھ موڑ لے — گرم پانی ڈال دے یا چارپائی چھوڑ دے

زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی برباد ہے — کس قدر اس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے
ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے — اُنکا فوٹو لیتے ہیں پڑھتے نہیں یاسین ہائے

کیا خوشی اس کی سمجھے۔ اُنکو جو نوابی ملی — روغنی صاحب نے لی مجھ کو وہی آبی ملی

جیب سے مفرور ہی زر بے تحاشا دیکھئے — جلوۂ بازارِ مغرب کا تماشا دیکھئے

نکلا یہ آب و تاب بنارس سے اولڈ بولے — اللہ اُس کو گولڈ بھی دے اور ریل بھی
خواہش ہے اب یہ بعض محبانِ قوم کی — نکلے کسی طرف سے یونہیں اولڈ گرل بھی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے — لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوج سے

وہ ہیں ذی علم و معزز جنکا ارشاد و عمل — طالبانِ حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری
بعض اسپیکر نظر آتے ہیں تم کو یہ تو ہیں — نوکری اور ممبری کی منڈوی کے چودھری

یہ غنچے میل کی اُمید کے کھلنے نہیں پاتے — خدا اس پیٹ سے سمجھے کہ دل ملنے نہیں پاتے

اُنھیں بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی — یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

نہ اُنہیں رنگ باغی کا نہ اُنہیں بو ہے داغی کی — یہ محبت ہے فقط درگاہِ قومی پر چراغی کی

یہ پردہ درد سوے قوم کس نے بھیجا ہے — کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے
یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن — ازار بند کو کھولینگے جس بیچا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی تغندسے خاں کی لاٹھی کی

باز آئینگے نہ پولٹیکل انٹریگ سے
جب کچھ نہیں تو لاگ لگائینگے لیگ سے

اک شغل زندگی ہے بہارِ نمود ہے
منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

نہیں کچھ اسکی پرسش الفتِ اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دستِ جنوں تارِ گریباں اب کہاں
پانیر اور دستِ مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں نہیں ہے کوئی مدعائے خاص
جس رخ ہے قافیہ مرا مطلب بھی ہے وہی

مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جناب شیخ
جس وقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی

ڈنر سے تمکو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کب حاضریِ شب کی اجازت طلب ہوئی
کیوں ضبطِ شوقِ دل کی ضمانت طلب ہوئی

ضمیمۂ ظرافت

بحرِ آزادی میں یہ کیسا تموّج ہو گیا
قاصراتُ الطرف[1] کو شوقِ تبرّج[2] ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہو گا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہو گا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخ گرداں کا
مرا بینا ہے منبع سیلِ اشکِ چشمِ گریاں کا

مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاس سوزاں کا
مرا سینا ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

خدا سر دے تو سودا دے کسی دلچسپ میداں کا
خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا

خدا پر دے تو ہُدہُد کر دے بلقیس و سلیماں کا
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا

جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو اس سنبلستاں کا

دورِ گردوں نے ابھارا دیر کو سچ ہے مگر
یہ نہ سمجھے حضرتِ سید نے پھر کیا کر لیا

[1] نیچی نگاہ والیاں۔ [2] اپنا سنگار دکھاتے پھرنا۔

اُن نگاہوں سے کہ جو تھیں جو گرِ طوفِ حرم
آفریں کہیئے کہ بُت خانے کو اپنا کرلیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ
می برد ہر جا کہ مینز است و پلیٹ

بزرگانِ ملّت نے کی ہے توجہ
کمی پر رہینگے نہ عالم نہ عابد
ترقّیِ دین ہوگی اب روز افزوں
علیگڈھ کا کالج ہے لنڈن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبِ قوم کسکو ووٹ دوں
پیش کرسکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہہ ہے اللہ فرماسے عطا
کامیابی ایک کو اور ایک کو صبرِ جمیل

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے باصد ملال
کہاں جاؤں اب میں ذرا یہہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ
یہہ سنکر بہت طبع غمگین ہوئی
مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہلِ یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائلِ جور و ستم رہنا
طریقِ حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلّم ہے مگر بات نبی کی نہیں سُنتا
لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سُنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آپسمیں تو اب کوئی کسی کی نہیں سُنتا

من نگویم کہ دریں باغ پئے جنگ درآ
آخرت پیشِ نظر دار و بہر رنگ درآ

اِس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھیگا
جو کچھ دکھلائیگا خدا۔ دیکھیگا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہوگا جو انتہا۔ دیکھیگا

اثباتِ خدا کو منطقی اُٹھ نہ سکا
خاک حیرت سے ذہن ہی اُٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری
ثابت ہونے کا بار بھی اُٹھ نہ سکا

ایسے غمزوں سے دلِ خوں گشتہ کیا ہوگا بحال
اب تو جو ہونا تھا وہ اے چشم کافر ہوچکا

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا
موسم بدلا جنوں ہی وہ نہ رہا

سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر
جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا

بگڑا میں بہت اُنپہ مگر بات بنی کیا
آنا بہ تکلف جو ہوا بھی سڈنی کیا

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ کا
ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ کا

زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظمِ برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرتِ اڈورڈ کا

ہمکو ابرو کی کجی[۱] نے مارا
شیخ صاحب کو کجی[۲] نے مارا

خانۂ دیں ہوا القصہ تباہ
آئی آواز کہ اِنّا لِلّٰہ

کبھی حق پرستی بھی اس دور سے
شرافت کو بھی چیخ نے تہ کیا

یہی شرطِ دعوت ہے اب قوم میں
اگر سیم داری بیار و بیا

پیدا ہوا دماغ میں جوشِ نشاط کیا
ننھا سا پھول دیکھئے اِس کی بساط کیا

اثر سب پر پڑا ہے انقلابِ رنگِ عالم کا
نہ اب ہے طعن کا موقع نہ ہے اب وقت ماتم کا

بسر کر با قناعت زندگانی کنجِ عزلت میں
نظر میں پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا

کیا زور تھا دعظِ تحریرِ دیوتاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا
تقویٰ کی بنائیں ہو گئیں سست شیرازۂ ملت ٹوٹ گیا

ایک اِس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

شکر ادا کرنا ہے واجب اُنکی طبع نیک کا
ہر ڈنر سے بھیجتے ہیں مجھ کو فوٹو کیک کا

ضعف سے رعشہ ہے یا غربی ہوا کا ہے اثر
ہینڈ[۳] کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک[۴] کا

ہم تو ہر حال کو ماضی ہی سمجھ لیتے ہیں
لوگ مر جائیں گے اور وقت گذر جائیگا

شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا پر ٹھن گیا
کعبۂ دل میں کلیسا عشقِ مس کا بن گیا

ہے بے اثر گیا نہیں جسنے فقط کہا
اکبر نے یہ کہا تو کہو کیا غلط کہا

فتحِ حرب پہ گو ہے تمھیں شوقِ ناز کا
بہتر ہے اُس سے ذوق درود و نماز کا

گردن اُٹھائیے نہ بہت پالٹیکس میں
مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

---

۱ ایک نفس پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ ۲ ایک آزر پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ ۳ ہاتھ ۱۲ ۴ جنبش، شیک ہینڈ۔ ہاتھ ملانا ۱۲

ہوجا گتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا
ہو کر رہیگا اکبرؔ جو کچھ ہے ہونے والا

وقت ہی پر ہر ایک کام اچھا
آسماں کا پروگرام اچھا
قرب ہے جنکو تخت شاہی سے
دور ہی سے اُنھیں سلام اچھا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا
زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا
گذر گیا دلِ دنیا پسند دنیا سے
اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا

مصیبت آپڑی تو سہل ہے شدّت سے غم کرنا
مگر مشکل ہے جینا باخبر غفلت کو کم کرنا

کرتا نہیں کوئی اِن میں ذکرِ مولیٰ
ہے مانگ روپے کی غل ہے دنش لانشولا
مجلس ہے یہی تو اِس سے عزلت بہتر
دنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولیٰ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
بے زورِ نمود کا اثر کیا
جب مغز نہیں تو لفظ سَر کا

صوفی کا مذہب مختصر سب سے ملا سب سے جدا
ہم تم کے جھگڑے انکو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا
نہیں اہلِ یقیں جب وہ تو یہہ کیا مذہبی ہونگے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ اُستادونکے باطن کا

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جھگڑا وہی
مغربی فقروں نے لیکن منھ کو انجن کردیا

طلبِ زر ہے جنکو اے اکبرؔ
وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
ہم تو مضموں وہیں سے پاتے ہیں
معتقد ہم تو اُس کے ہیں لاریب

نہیں مناسب کہ ہو یہہ ہوا کبھی حریفِ ہوزِ صناب
بجا ہے فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب
حکیم اور بید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو
ہمیں صحت سے مطلب ہے بفضلہ ہو کہ تلشی ہو

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبرؔ
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

اگلی روش جو تھی وہ تھی پیغمبری کی بات
موجودہ ہر طریق ہے کاریگری کی بات

پڑا تھا چٹائی پہ گوشے میں میں
نہ اُٹھا جو آئے مرے ایک دوست
شکایت اُنھوں نے جو کی کہدیا
تواضع زگردن فرازاں نکوست

درکار خندہ سیم وزر از جیب در رفت
مالِ حضور بود براہِ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقف سرِّ خفی حافظِ اسرار بماند
حدِّ بیگانۂ باطن صفِ اظہار بماند
خلق صدرہ طرف شُبہ و اقرار بماند
ہر کہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند
وانکہ این کار ندانست در انکار بماند

شش و پنج اسمیں کسیکو ہے نہ ہے ہفت نہ ہشت
بے خطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
نہ تو گلشن ہی ہوا معترض انپر نہ تو دشت
خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت
قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصّوں سے بھرے ہیں دفتر
آجتک اُنکے فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ حافظ۔ اکبر
از صدائے سخن عشق نہ دیدم خوشتر
یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد
گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بیحد
میں نے کہا مخالف تیرا بھی ہوں تو بولا
میری ہی پالیسی کی واللہ ہے یہ ابجد
شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

غمِ عشق تو دلے را چو لطیف و پاک سازد
غمِ دہر را چہ یارا کہ ورا ہلاک سازد
مسِ من فگند بر من نظرے کہ کس نداند
دل من گرفت از وے اثرے کہ کس نداند

وسوال کردم از وے زماں کار کالج
زیر و فسر شنیدم خبرے کہ کس نداند

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں میگوید
طبع او فونوگرافست و سرودش سبقش
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت وہاں میگوید
انچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

نہ سنی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد
غمِ ٹرکی و ماتمِ پرشیا
ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد
مسدس اُدھر ہے اِدھر مرثیا

ہے دل روشن مثالِ دیوبند
ہاں علیگڈھہ کی بھی تم تشبیہ لو
پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز
اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
اک معزز پیٹ بس اسکو کہو
گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ ببیند وخت ممبری داند
نہ ہر کہ ہیٹ بپوشید و کوٹ در بر کرد
نہ ہر کہ بحث بیاموخت لیڈری داند
ادائے مغرب و آئین مسٹری داند

تھی مرے پیشِ نظر وہ مسِ تہذیب پسند
ملک الموت نے ناگاہ بھری ایک زقند
کبھی وہسکی مجھے دیتی تھی کبھی شربتِ قند
پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر
فضلِ خدا سے جنت ہی نہیں آئے راہ پر

ہیں اہلِ جہاں منکر اللہ سے کد پر
ہنگامے انہیں کے لئے ہیں صلِّ علیٰ کے
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کے لحد پر
جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد کے

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک
تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر
ہر ذرّہ کو ہے وردِ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک
وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل موئد آزادی کا
آزاد ہوا اسلئے کہ اغیار ہوں قید
لیکن اک نکتہ سن لے اے پاک ضمیر
مطلب یہ نہیں کہ خود ہو غیروں کے اسیر

شتر روباہ سے کمتر ہیں بن میں محتبس ہو کر
قرارِ دل نہیں تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے
بنے ہیں شیر کتے زینتِ آغوش میں ہو کر
وہ شکلِ مہر و مہ موجود ہیں کب ہے منعکس ہو کر

احباب نے طویل مضامین وہاں پڑھے
میں نے تو بزمِ نعت میں اتنا ہی پڑھ دیا
لیکن مری زبان کا تھا حصّہ مختصر
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر
ظلم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پر

یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی چیخ پر
اور دین ہے کیا بس ضرورت کی پیچ پر

Hurley

نہ سُن تو قرآں کا وعظ بھائی خوشی سے تقلید ہکسلے کر
پھرے گا کیمپوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ سمجھو نہ اسے اسمیں ہے اسرار نہاں
نہ تجارت کا سلیقہ نہ عبادت سے لگاؤ
عالمِ دین جو ہیں وہ جانتے ہیں صوم کے سِر
یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے سر

اِس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبعِ نور
اوجِ ملکوت کا ہے عالم ہر لفظ
ہر حرف سے ہے تجلّیٔ حق کا ظہور
ہر بیت اقبال کی ہے بیت المعمور

اللہ رے انقلابِ طرز و مذاقِ مشرق
لیلیٰ کا ناز رخصت - اسکول مسٹرس ہیں
حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں لیڈر
سودائے قیس غائب اب وہ بنے ہیں ایڈیٹر

ناتوانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش
تدبیے در گردنم افتاد اکبر چارہ نیست
با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
با ہمہ آزاد گیہا با یکے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
ارشاد ہو تو قسمِ سوم کو بھی کر دوں عرض
لیکن کوئی بھی قسم ہو اچھا ہے شعر اگر
اِک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
اِک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش
محفل کو غالباً ہمہ تن پائیے گا گوش

پیش آئے ہمیں امور عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو
پایا انہیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

آنے والے نہ رہے انجمن دل کی طرف
کوئی کالج کی طرف ہے کوئی کونسل کی طرف

بل کھاؤ ہزار خواہ چھانٹو منطق
لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہ بات
نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق
مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زباں کی اُدھر جھک
متروک کو دیکھ کر تو مت رُک

ہے لیڈر قوم کون جب ہو یہ سوال
کہہ دو اکبر کہ بس برٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمہارا ہے خیال
گو طرزِ بیاں پہ شورِ تحسین اُٹھے
تاثیر کچھ اُسمیں ہو یہ ہے امر محال
مقبول نہ ہوگے پیشِ اربابِ کمال

[له] کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل
کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل

کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے
مری انجمن بھی اُسی رُخ سے چلے

کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ
عوض لٹھ کے آپسیں چلتے ہیں ووٹ

کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہد اسپیچ کی ہے مگس

کوئی شوق تحقیق میں غرق ہے
کوئی راہِ تقلید میں برق ہے

کسی کو ہے مضمون نگاری کی دُھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن

کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمایش کا ذوق

کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں
سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں

جدھر بحرِ ہستی بہائے بہیں
خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں

مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوئے جمع بہرِ دعا و سلام
کلیسا میں انگریز عالی مقام

کہاں ہیں نئے ہوں میں تو مسجد سے دور
تو گرجا میں انکا ہے کیوں ازدحام

[له] حسب فرمایش و اصرار اڈیٹر نظام المشائخ برائے رسولنما نمبر

خدا جانے آئی کدھر سے صدا — کہ اے بے خرد مسلم ناتمام
کسے را کہ اقبال باشد غلام — بود میل خاطر بہ طاعت مدام

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم — گویا کہ شبیں بہت ہیں اور رز میں کم
ہر حریف زباں نہیں ہے شمع اخلاص — جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

صوم ہے ایماں سے ایمان رخصت صوم گم — قوم ہے قرآں سے قرآں رخصت قوم گم

جلوۂ قدرت باری ہے سدا پیش نگاہ — نہ حکومت کا ہے ماتم نہ غم مال سے کام
کوئی ماضی میں ہے اُلجھا کوئی مستقبل میں — صوت سرمدیہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہلِ وطن — کہ قوم کے لئے مذہب کا کوئی کام نہیں
قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں — کہاں کی قوم جب اسکا کوئی قوام نہیں

بُت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں — اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو — بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

قول ملحد ہے کہ تیخیر ہو گیا امیر المعین — اور فلک کی ہے صدا واللہ خیر الماکرین
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دہر کا — دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے دنیا یا کہ دین

کمیٹیوں میں ہے رونے کا خوب شوق اُنھیں — مگر نماز و دعا کا نہیں ہے ذوق اُنھیں
بغیر طاعتِ حق ہے محال یک جہتی — خدا کرے کہ نظر آئے تحت و فوق اُنھیں

دخل انکو نہیں عشق و محبت کے فنوں میں — بے ہمت و بے سوز یہ جانیں ہیں تنوں میں
بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر — رقصاں ہیں انھیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

دین بحث کب باغیرت و ذی ہوش رہتے ہیں — مٹا دیتے ہیں مٹجاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں
معانی گرم رکھتے ہیں جنھیں اللہ اکبر کے — انھیں سینوں میں اے اکبر دل پر جوش رہتے ہیں
عجب میدان ہے جسمیں ہے مشق سعیٔ بیجا صل — عجب بستی ہے جسمیں مرد ناحق کوش رہتے ہیں

سمجھئے جو صرف طاعت ورد حاجت سے بحث — مجھکو ہنوز اُمید سے بیگانگی نہیں

مکر و فریب و ظلم یہ سب اُس میں ہیں مگر
شیطان میں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
دینی عملوں کی موج کو بہنے دیں
شبلی کی دعا بتانِ مغرب سے یہ ہے
ندوہ کو حضورِ قبلہ رُخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو
جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اِس پیڑ میں خوب ہی کٹہل آئے ہیں
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبر نے کہا کہ ہم غریبوں کے لئے
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں
پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں
بجز خطاے نظر اور سہوِ کاتب کے
کچھ اعتراض اگر ہیں تو سودمند نہیں
حدود میں نے معیّن کئے ہیں اپنے لئے
اور اُن حدود کے اندر کہیں میں بند نہیں

بہ قولِ کفر جو مانو بھی تم بفرض محال
کہ روح ہیچ ہے اور بعد مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی بشر کو اک نعمت
وگرنہ دل کے لئے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل ہیں مراسوت تو کتنے کا نہیں
کفر کے ساتھ ہیں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھ کو جواب نامہ لکھتا ہی نہیں
جب گلا کرتا ہوں کہہ دیتا ہے پہونچا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب[1] کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھ کو صبر
کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر
غصہ عبث ہے آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں
ممبر اِس انجمن کا ہوں منبر نہیں ہوں میں

روپے کو اپنے کریں صرف وہ جو غلّے میں
تو کام آئے غریبوں کے اِس محلّے میں
یہ بات تجھ کو تو اے ہاشمی پسند نہیں
کہ صرفِ دولتِ عشرت ہو گنبد بلّے میں

ڈیپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُس نے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخِ بید اور ایسے گملے میں

۱۳۲۹ھ

[1] آپس کی خانہ جنگی مراد ہے نہ کہ وعظ مذہب ۱۲

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اسدرجہ حیرت ہے
تمھارے واسطے یہہ کیا محل رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اُس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
ابھی یہہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں
کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
محبت ہو نہو انکو اُمید اِس کی یہاں کب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی نے ہاں اسباب سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یارو نیشن
صد شکر ہوا ظہور کارونیشن
مانگو خالق سے حضرتِ جاج کی خیر
تم بھی ہوجاؤگے ٹومارونیشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں
ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
فطرت پہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو
بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں
سلف گورنمنٹ نے مارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا
نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب
خوب دیا تم نے بھپارا ہمیں
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے
ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
آئینہ ہے حسرتِ دنیا کا حال
یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
جلوہ دکھانے کا اُنھیں شوق ہے
کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہوا ہے پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوئے سراپا تڑپ رہے ہیں اُبل رہے ہیں

بتاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اچھا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو اُنپر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

انجنیری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں
قائم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے
یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں ہم چپ رہیں
ہاں مگر اسمیں نہیں کچھ عذر جو کہیے کہیں

مرد جنٹلمین ہو کر پا رہے ہیں جب عروج — بیبیاں پھر گھر میں بیچ کس پرسی کیوں ہیں
مطمئن رہیئے نہ رہ جائے گا عورت کا حجاب — چادرِ قومی کی آخر کھلتی جاتی ہیں تہیں
اِک طرف دامِ ترقی اک طرف موجِ شراب — ہر طرح حاضر ہیں ہم کہئے پھنسیں کہئے بہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے ملکی مقاصد میں — تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی تپیں ہم پر چڑھائیں — گھٹا کی دولت اپیچیں بڑھائیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن — وہ گو اسکول میں برسوں پڑھائیں

مری طرزِ فغاں کی بوالہوس تقلید کرتے ہیں — خجل ہونگے اثر کی بھی اگر امید کرتے ہیں

جہاں کے انقلابونکے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں — بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذرا انکا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں — بنے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا خود ہم سے کھنچتے ہیں — یہ انکی پالسی کے باغ کس پانی سے سینچتے ہیں

نہ اب وہ طشتِ زریں ہیں نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں
کھچڑی خوانِ نعمت ہے فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شان و عظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں — خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں
یہی نظارہ ہمکو محو رکھتا ہے سدا اکبر — فرشتے بے ٹکٹ یہ منظرِ اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کا کلکتے سے دلی میں جو دھرتے ہیں — تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر — وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرزِ عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں پئے راحت — مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں و اُف نکروں
وہ کہ رہا ہے کہ ذلت سہو تو جاؤ چمک — مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تُف نہ کروں

سہارا ہے فقط اللہ کا نام آرام اسی سے روح کو ہے — اور یوں تو حوادث بیحد ہیں دنیا میں بہت سے افسانے ہیں

عجب کیا شیخ برگڈ میں جو مشتاقِ غلامی ہیں — ہمارے اونٹ صاحب خود ہی سر پٹے حامی ہیں

غیر کو نامے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں — مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

ہوٹل سے بھلا پرہیز تمھیں اے پنڈت جی مہراج کہاں
سچ بات کہی جس نے یہہ کہا جب لاگ لگی تب لاج کہاں

نظروں میں بسا ہے رنگ وہی آنکھیں وہی گلشن ڈھونڈھتی ہیں
موسم وہ نہیں ہے اے اکبر جو بات تھی کل وہ آج کہاں

سر جھکا کر اُن کی سیوا کر تو گردن کو نہ تان
برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو سودر جان

وزن لالچی پہ نازاں ہیں مرے رکلن شعر
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

اک برگِ مضمحل نے یہہ اسپیچ میں کہا
موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمھیں

اچھا جواب خشک یہہ اک شاخ نے دیا
موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

اکڑ ڈوبے ہوئے ہیں آپ سچ مچ حق پرستی میں
تو کرتے رہیے کام اپنا انھیں حالاتِ پستی میں

آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں
اکثر اسی پر ہے عمل یا تم نہیں یا ہم نہیں

بیان اپنی مصیبت کا تھا بہت مجھے منظور
ہوا جو ٹائی ٹانک[1] غرق کہدیا میں نے

خیال تھا سوئے تشبیہ جستجو میں تھیں
کہ دل مرا تھا اور اُس دل کی آرزوئیں تھیں

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد

جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کونسل میں اگر پرسش نہ ہوئی مغموم نہ تم اے یار رہو
اللہ بلانے والا ہے مرنے کیلئے طیار رہو

الا پو مغربی سُر میں کوئی راگ
جنونِ لیڈری کا دور ہے یہہ
خموشی اور قناعت ناروا ہے

اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
فلک کو کد ہے بگڑو اور بگاڑو

کیوں جلا رکھا ہے اس دور نے پیری میں مجھے
کہا گردوں نے نہیں غیر ضروری یہہ بات

ستم غیر ضروری یہہ فلک کا دیکھو
اپنے بیٹے کا بھی تدریج تماشا دیکھو

ہادیِ قوم بنو۔ قوم کے مہمان بنو
خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

[1] جہاز میں پندرہ سو یورپین تقریباً غرق ہو گئے۔ مرد عورت بچے ۱۲

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہوا انکا ہم سفر
موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی
سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
دشمنِ دانا سے بچ پہچان لے نادان دوست
صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیک

ولا دے ہم کو بھی صاحب سے لائلٹی کا پروانہ
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ
اڈیٹر بول اُٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتبخانہ
مبصر کہہ رہے ہیں وضعِ ملت کے تغیر پر
نبڈھی یہہ دُھن تو بس اب ہو چکا مسلم کا اترانا
بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ
اِدھر صورت فقیرانہ اُدھر سامان شاہانہ
مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہہ قرأت
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا
یہہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں
کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی و اٹلی کا افسانہ

یہہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبر
کجا وہ بت کجا آمنت باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اُٹھا تو یہہ بولے
اِک پیرِ ڈبر خوردۂ ہر سمت دویدہ
مُردہ سمجھ اُنکو کہ جو پہونچے ہوں خدا تک
مُرشد ہیں وہی جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

مجھ کو حسرت نہیں اسکی کہ کریں یاد مجھے
یاد آئی بھی تو کیا آئی جو تحقیر کے ساتھ
مسمریزم کی ہو یہ تدبیر نژادوں ہی پہ مشق
چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ
لذت اِسمیں ہے کہ ملجائے ترے دل میں جگہ

ہر ایک مسلم پکارتا ہے وہ خواہ انسی ہو خواہ جنی
خدا کی طاعت سے جو ہے باہر فلیس منی فلیس منی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی
دشمن اُسے سمجھیگی نظر دیکھنے والی
اکبر کی فغاں کو نہ کہو خام خیالی
فرماتے ہیں رو رو کے یہہ خود حضرتِ حالی

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

شیطان ہے دل جو نورِ ایماں نہ رہے
دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے

کہتی ہے یہہ ہسٹری بہ آوازِ بلند
تم کچھ نہ رہے اگر مُسلماں نہ رہے

نہایت سچ یہہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے
کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمھیں کد ہے

روز افزوں ہے بلا شبہ برِشِّ اقبال
جو خلاف اسکے تصور کرے وہ وہمی ہے
اپنا اقبال مگر اِسنے جو سمجھا ہے اِسے
یہہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب جمپ میں ذکرِ خدا کم ہے
فغاں کا شوق بیحد ہے مگر ذوقِ دُعا کم ہے

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہہ پردہ ہند میں
مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اِسکی ضرورت ہی نہیں
میرزایانہ ادا انکی سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھیگا کبھی
خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آنر کی
رُخ اُنکے جدا ہیں اسکی علت کیلئے
بنیاد وہ اپنی چاہتا ہے مضبوط
بے چین ہے یہہ نمودِ حالت کیلئے
ہندو ـ عزّت طلب ہے زر کی خاطر
مسلم کو طلب ہے زر کی عزت کیلئے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبر کی دلیری حق یہ یہہ ہے یہہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیو قوم کی ہے نہ پشتہ نہ بصیرت ہے
بگڑے جو بن رہے ہیں یہہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہہ شورشِ رفارم
رنج و محن کا ساز ہے چکّی کا گیت ہے

ممدوحِ شرق و غرب شمال و جنوب تھے
تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تمسے کہ کیسے ہیں
ہاں اسمیں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی منظرِ بے معنی و مفہوم ہے
مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
یہ رہا ہے لاکھوں ہی موجوں میں یہہ بحرِ فنا
وِرد کے قابل فقط یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ ہے

اِس بات میں ہے اِک رمز نہاں اِس قافیے میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلس بے باکی ہے

مجھ گدا کو کر دیا رخصت جو دے کر عطر پان
فاقہ تو ٹوٹا نہیں - ہاں عزّت افزائی ہوئی

مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں
ہر طبیعت مغربی چکّر میں ہے آئی ہوئی

مذہب و وضع و زبان قوم کا کسکو خیال
جب اکابر کی نظر آنر کی شیدائی ہوئی

نظمِ اکبر کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب
یہہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہہ ہے کے دن کی سروس اور وہ کیٹنگ معزز ہے

جو مستی اِس سے پیدا ہوگی دختر ہوگی وہ کسکی
یہہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمھاری دخترِ رز ہے

نہ پھیلا پاؤں تو اتنا حیاتِ چند روزہ میں
سمجھ لے قبر میں تیرے لئے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ شدنی بے اصول زادوں سے
خدا بچائے مجھے ان زمانہ زادوں سے

وہ وقعت اُٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی
امامِ قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی

بتوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں واعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے نہ رازی کی

ٹھیک پڑھ سکتا نہیں کہتا ہے ناموزوں مجھے
خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لئے
آمادہ ہیں جس قدر وہ آنر کے لئے

نو حصّے تم اپنی نوکری کو دے دو
دسواں حصّہ تو ہو پیمبر کے لئے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ ہستی بھی سہی
حسِ لذّت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی

اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن
صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے

نیچر ہی سے اُبھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

بے دینوں کو جوشِ مستی کیا ہے
بندوں میں یہہ خود پرستی کیا ہے

کہتی ہے فلک کی گردش اِن سے
تم کیا ہو تمھاری ہستی کیا ہے

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ باولا ہوا ہے
مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے

اِک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں
گرجا میں کیا دھرا ہے جمتا جو واں پڑا ہے

مجھ کو بے دل کر دے ایسا کون ہے
یاد مجھکو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ہے

عامل ہے ہوا باغ کی معمول ہے مٹی
مٹی ہے کبھی پھول۔ کبھی پھول ہے مٹی

ہے جلوۂ مہر پرتوِ ماہ تو ہے
سینے میں تمھارے قلب آگاہ تو ہے

ظاہر جو نہیں ہے حامئ دیں کوئی
بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے

رخصت وہ ہوا جو آیا تھا وہ جائیگا جو آیا ہے
حیرت ہو تو کیا صدمہ ہو تو کیا دنیا میں یہی ہوا آیا ہے

سینے پہ بحرِ حسن کے سونے کی چین ہے
سیمیں ہیں دو حباب طلائی یہ چین ہے

زمانے میں مجھے خواہش نہ اُسکی ہے نہ اِسکی ہے
سرورِ طبع کو کافی فقط اِک جامِ وسکی ہے

حسب فرمائش اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

کیونکر کہوں طریقِ عمل اُنکا نیک ہے
جب عید میں بجائے سوئیوں کے کیک ہے

مجبور ہوں مگر نہ ملوں اُن سے کس طرح
ابتک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اکبر کی صاف گوئی کو میں نے کیا پسند
کل کہہ رہے تھے یار میں اپنے کلب سے

اللہ سے لگائے رہیں تو جنابِ شیخ
ہم نے تو دِل کی لاگ لگائی ہے لیگ سے

موٹر سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی
تو نے نہ مری حسرتِ دیدار نکالی

بتکدے میں جو ملکشا تھے وہ بالم ہو گئے
تھے جو کافر وہ حرم میں جانِ عالم ہو گئے

قصد یہ تھا کردوں اِس مطلع کی شرح مختصر
لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے

شمشیرزن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپائیے زن کو نکالئے

نقد و جنسِ انجمنِ قوم میں موجود نہیں
یاں تو نقشوں کی فقط خانہ پری ہوتی ہے

دارالاسلام اب تو شیدائے بتانِ غرب ہے
اب انھیں کے زیر سایہ انکا دارالحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہونچے اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹاکس کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت
وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چاہیے پیکر حسبِ دستور
تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر کی

جب نئے عشووں کے نقشے زیبِ ٹیبل ہوگئے
بیسیوں بندے خدا کے آنریبل ہوگئے

ہمارے شیخ شرعی زندگی بے سود کاٹینگے
مرے و نصیر میں بھی انٹرسٹ اب وہ نہیں لیتے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی
کس زمیں پر دلِ پر جوش کی بدلی برسے
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا
قوم کو کام ہے باضابطہ لٹریچر سے

اُس بُت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے
باقی رہی اُلفت نہ عجم سے نہ عرب سے

لطفِ امروز اور ہے اور فکر فردا اور ہے
راہِ دنیا اور ہے اور راہِ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
چشم بینا اور ہے چشمِ تماشا اور ہے

بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے
کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

اُبھرا ہے رنگ سودا دیوانگی بھری ہے
ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے ہری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت
یہہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر وہی دیر میں مستتر وہی
لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے
اب سمجھ انکو آگئی دوست بھی ہیں غلام بھی

مہمانِ فلک کہاں سکون پاتا ہے
آسودہ جو ہیں اُنھیں بھی ٹہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہہ نقل و حرکت
ظاہر یہہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
اِس دور فنا میں ہوگی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

بہتر یہی ہے پھیر لیں آنکھوں کو گائے سے
کیا فائدہ ہے روز کی اِس ہائے ہائے سے

کمزوریوں کو روک دیں زور و ٹکو کیا کریں
منھ بند ہو سکے گا مسلماں شریف کا

مسلم ہٹے تو فوج سے گوروں کو کیا کریں
چسکا مگر نہ جائیگا صاحب سے بیف کا

دنیا ہی اب درست ہے قایم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ اے جانِ جاں شاہی گئی

بجا ہے جائے جو مٹ یونیورسٹی کے لئے
جنونِ قوم کو جائز ہے اس پری کے لئے

قایم یہی بوٹ اور موزا رکھئے
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی
دل کو مشتاق مِس ڈسوزا رکھئے
پڑھئے جو نماز اور روزہ رکھئے

نغمۂ قومی کا مطرب آجکل ہے ہر سٹی
دین کی اُلفت دلوں سے انکے یونہیں گر مٹی
ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ دین

مال ہے ذکرِ ترقی سم ہے یونیورسٹی
مسلم اُٹھ جائینگے رہجائیگی یونیورسٹی
خود جو اُنمیں نقص ہو تو ہے یہ اے اکبر ہٹی

فرق آیا رنگ و بو میں ہوا کو ترس گئے
ایسے بھیجے کہ ہند میں مسلم اُکس گئے

کالج و سپیچ و حکام ہمہ درکارند
طاعتِ حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے

تا تو پاسے بکف آری و کنی عہدہ پری
شیخ سعدی نے کہا ہے کہ بغفلت نخوری

دیکھ آئے قوم سنتے تھے جسے
بار آور پارک میں یہ ہونگے کیا
چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
گملوں ہی پر رہ گئے ہیں پھول کے

ترقی ہو آئی شاہدِ مغرب کے جوبن کی
نہ جیتا ہے نہ بندہ ہے فقط مغرب کا خندا ہے

عجب خوش فعلیاں ہیں آجکل شیخ و برہمن کی
اگر چندے یہی حالت رہی شیخ و برہمن کی

کالج ہے دنیوی فوائد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں
قایم ہے یہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انساں کو
خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
لیکن ہر شئے کی ایک حد ہوتی ہے

۱ہ افسوس ۱۲

ایامِ شباب اور موسمِ گل تقویٰ کی بیاں کیا ہستی ہے
ہر عضوِ بدن ہے لذت جو، ہر قطرۂ خوں میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر اے خدا کیا ہونیوالا ہے
قریبِ مرگ ہیں ہم پر ابھی کوئی رونیوالا ہے

جسکو خدا سعید کرے وہ سعید ہے
روزے ہوے ہوں جسکے قبول اسکی عید ہے

قوم کیسی کسکو اب اردو زباں کی فکر ہے
غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے

ایک پر اجماع اکثر کا بہت مشکل ہے اب
سب ہیں مضطر اپنے منھ میاں مٹھو میاں کی فکر ہے

ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزمِ سامعین
ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

عزم کر تقلیدِ مغرب کا ہنر کے زور سے
لطف کیا ہے لے گئے موٹر جو زر کے زور سے

غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھ تکلیفیں اٹھا
روکتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے

نسخۂ آمنتُ بِالمغرِب سے چھکے نیچری
بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے

نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے
وہ نہیں واقف مری آہِ سحر کے زور سے

کالج بنا عمارتِ فخر النسا بنی
شکر خدا کہ ملگئے آخر بنا بنی

بے پردگی کی ہو نہ یہہ در پردہ اک بنا
جنکو یہہ ڈر ہے انکی تو جانو نپہ آبنی

لیکن نگاہِ نبض شناسانِ وقت میں
امراض قوم کے لئے عمدہ دوا یہی

طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری رزق کی حد سے
بچالیگی قناعت تیری تجھکو کفر کی زد سے

دم تم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس سے
دینِ خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے

عہدے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا
قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو پچاس سے

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے
ہست میں شبہ نہیں ہے چیست نامعلوم ہے

اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز
اور وہ کیا ہے۔ فقط یا حی یا قیوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑھے تھے ہم سے سب کم تھے
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے
مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

روح کا پہچاننا سب سے بڑا سائنس ہے
اسلئے ہادیٔ دیں مطلوب جن و انس ہے

موسم گل میں خبر شورِ عنادل کی کہی
خوش رہے بادِ صبا سننے مے دِل کی کہی

اشعارِ غیر سے تو مجھے کم سند ملی
من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی

عشاق وقت مرگ قریں کیوں ہوں یاس سے
خوش ہیں نجات مل گئی بارِ حواس سے

یہہ کیا تم نے کہا اب کوئی طلبا ہے نہ مادی ہے
خدا کے فضل سے بھائی علیگڈھ ہے آمادہ ہے

ذوقِ لقاءِ حق سے دِل کو تمہارے بھر دے
باطن کی ہے یہہ خوبی مشتاق مرگ کر دے

ہو خیر یارب اکبرِ آشفتہ حال کی
سرجن رقیب اور دوا اسپتال کی

دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے
زندگی اب فقط زبان میں ہے

جانتا ہوں ہو رہا ہے جو نہ ہونا چاہئے
بحث یہہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہئے

اظہار مصیبت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے
اب بہرِ خدا چپ ہو رونے کی بھی اک حد ہے

جنھیں نہیں فکر آخرت کی یہہ بن سنور کر اُدھر گئی ہے
اسی سبب سے عروسِ دنیا مری نظر سے اُتر گئی ہے

اظہار اس معنیٔ نازک کا الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر چیز کے سمجھے ہے گرد اُسکے جو حدِ خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے
اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے

دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہہ مستحق داد
منزل سے اسکو کام ہے اُسکو کلیل ہے

گل تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے
مرے صیاد نے بلبل کو بھی اُلّو بنایا ہے

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دام بلا ہے
اے کاش کہ اس عہد میں ہم بانجھ ہوتے

یہہ آپ کی برکت ہے کہ بچ گیاں ہیں
بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہ ہوتے

یہہ جو ہنگامۂ تزئین عیش و کامرانی ہے
تماشا غافلوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے

مداحوں کو خوش ہو کے تو کیا دیکھ رہا ہے
جو حالتِ اصلی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بانیٔ طرزِ نو کے طریقوں کے متّبع
البتہ اُن بناؤں سے جنکے لئے ہو سعی

خلق انکو نہ چھوڑینگے اولاد کے لئے
کچھ جال چھوڑ جائینگے صیاد کے لئے

ہم اظہارِ خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں یہ تکاپو ہے

مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عالمِ ہُو ہے

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خود غرضی
اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش

ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
الحمد رہی قائم منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے
وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گذرتے جاتے

ہم میں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی
تعلیمِ جدید سے ہوا کیا حاصل

پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بنگئی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے
اِس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ

جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے
زیتون کا نہیں ہے یہ مٹی کا تیل ہے

موعودہ ترقی سے خوشی کیوں نہو پیدا
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں

اُمید کے انجن کا بھپارا بھی بہت ہے
انکے لئے تنکے کا سہارا بھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں جی ہاں قدردانی آپکی
غیر پر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپکی

اوکھیاں میں نے سنائیں تھیں حریفوں کو فقط
شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے

شیخ کیوں کود پڑے اُن کو خجالت کیا تھی
تمکو اِس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیطِ بے مرکز
تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر

ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
سبب یہ ہے کہ کوئی اور دل لگی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اُداسی کیسی
ہمنشیں ہے یہ بڑی بات ذرا سی کیسی

کیا ملے دادِ سخن بنگلہ نشینوں سے مجھے … وہ سمجھتے ہی نہیں قدر شناسی کیسی

قرآن کو زبان سے دل میں اتارئے … علمی نمود چھوڑ عمل کو سنوارئے
چشم و زباں میں کیجئے پیدا اثر جناب … بعد اسکے بندگان خدا کو پکارئے

انگریز خوش ہے مالک ایروپلین ہے … ہندو مگن ہے اسکا بڑا لین دین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول ہیں پول اور خدا کا نام … بسکٹ کا صرف چور ہے لمنڈ کا بھین ہے

حامی صبر و طاعت حیران و مضمحل ہیں … طامع غافلوں کی مضبوط پارٹی ہے
رحمان کے فرشتے گو ہیں بہت مقدس … شیطان ہی کی جانب لیکن مجارٹی ہے

good day-good night
ضرورت کچھ نہ تھی اسکی کہ آپسمیں بھی ہو جائے … سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے
حیاتِ مذہبی سے بھاگنا تھا کھیل گڑیوں کا … کہاں کی قوم۔ ہاں کچھ بنگئے ہیں نازنیں گڈّے

بعد مردن کچھ نہیں یہہ فلسفہ مردود ہے … قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے
شیخ کالج چاہئے دیندار اور صاحب اثر … ورنہ کیسا ہی ہو عمدہ کورس وہ بے سود ہے

مجھ سے ہے عذر غیر کو کونسل کا ووٹ ہے … واللہ اس ستم کی مرے دل پہ چوٹ ہے
ترکیب صلح کل نہ نبھی دل پہ چوٹ ہے … سب سے بچے تو لیجئے کونسل کا ووٹ ہے

لفظ قومی پہ بلا مرکز اکڑنا چاہیئے … اسکے یہہ معنی ہوے آپسمیں لڑنا چاہیئے

سب ٹنک ٹنک ٹکڑے ہوا ٹکرا کے آئیس برگ سے … دب گیا سائنس بھی آخر پیام مرگ سے

وہ دلی احباب وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں … دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اڑایا کیجئے
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی روح کو … چھاؤنی میں اب فقط روٹی کمایا کیجئے
مر رہا ہوں مجھ کو بد خواہی کی قوت ہی نہیں … خیر خواہی آپ ہی ہردم جتایا کیجئے
عیش کا بھی ذوق دینداری کی شہرت کا بھی شوق … آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے

گناہوں سے نہ باز آئیگی اور سستی سے بھاگیگی … جہنم سے سوا طاعون سے یہہ قوم ڈرتی ہے

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لئے … یہہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لئے

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست
رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم

بابو گر یجویٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں
بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یوں نہیں بیر

کہتے ہو تم جو uee تو اُنھیں آتی ہے ہنسی
eeu کا پتا کہاں ہے وہ کتنے ہیں کون ہیں

آنر کے ساتھ نامِ گرامی بھی لکھ گیا
موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس ہے

ارشاد لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
وقعت تمھاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں

نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے
اک دلگی ہے کانگرس ہو کہ لیگ ہو

طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر

اک برگِ گل کہیگا کہ ہم گل کے جزو ہیں
لاٹھی بھلی ملی ہو اگر اُس کی رگ سے رگ

پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے

مانونگا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
کلفت اسی کی مجھ کو ہے ہر آن ہر نفس

گو اپنے ساتھ آپ کا ہر انہ لے گیا
گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست

اے مدعیِ دینِ خدا شرم شرم شرم
اِک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں

کچھ خاک میں ملینگے تو کچھ ہونگے جزو غیر
یعنے زبانِ شوق غلط لفظ میں پھنسی

مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ یوں ہیں
لیکن اِدھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا

ارشاد ہو غلط بھی تو اُس کا ڈفنس ہے
قانون بے مثال تو رحمان ہی کا ہے

کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
یہہ پانیر ٹری کی فقط اک مشین ہے

ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں

ممکن نہیں کہ پائیے پھل جڑ کو توڑ کر
تم خود کو کیا کہوگے کہ کس کل کے جزو ہیں

بیکار تو ہے جس کے ہوں پر زے الگ الگ
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار

کانٹوں میں اب پھنسو کہ مشن چاپ بن گئے
پر بالارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں

لاکھوں کی سدِ راہ ہے دس بیس کی ہوس
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں۔ فقط یہ تقاضائے muse میوز ہے
یاروں سے التجا ہے please excuse پلیز اکسکیوز ہے

ضمیمہ متفرقات

اُسے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا
کہ جس کو علم تو آتا ہے شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہوگیا
جس طرف دیکھو دگر گوں حال سب کا ہوگیا
اِس تغیّر سے مگر اُسکو نہیں پہونچا ضرر
انقلاب آیا بھی اکبر پہ تو رب کا ہوگیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا
مصیبت جھیلنا اور ہادیِ راہِ خدا بننا
مشینوں سے لپٹ کر اسقدر الحمدللہ ممکن ہے
بہ باطن خود گھسٹنا اور بہ ظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اُسکے ایسے ہیں
مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم و اعتصمو ہمکو ہے بحبل اللہ
بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں
ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے
کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں

اسبابِ طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اِسکا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائے گی میری اُس بت کی اکدن
اِنّا الیٰ اَصلِہٖ یرجع کُلُّ شیءٍ

بدن میں روح آجاتی ہے جب لے گوری رنگت کے
تو بے انگلش پڑھے روزی بھی ملسکتی ہے نیٹو کو

بلینک ورس یعنی بلا قافیہ

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل
اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہمکو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ
میں نے تو کر دیا ترا رتبہ بلند تر
از صحنِ خانہ تا بلبِ بامِ ازانِ من
وز بامِ خانہ تا بہ ثریا ازانِ تو

۱؎ کلیں ۲؎ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے ۱۲

خود فن حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پر — میرے لئے چمن میں شٹل کاک[۱] کا ہے کھیل
اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ — تیرا ہی شغلہ ہے بہت صاف و بے ضرر
آں اشترِ ضعیف و لگد زن ازانِ من — واں گربۂ مصاحبِ بابا ازانِ تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے۔ حالِ دل کسی سے آجکل کہنا — بہت جوشِ طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا
فقط تعمیر کالج پر میں بھولوں یہ نہیں ممکن — مبارک آپ ہی لوگوں کو ہو پتی کو پھل کہنا

طامع کو گدا پایا قانع کو غنی دیکھا — اوروں کی نہیں کہتے ہم نے تو یہی دیکھا
عقدے بھی کھلے تجھ سے منظر بھی نظر آئے — آنکھیں بھی کبھی کھولیں دِل کو بھی کبھی دیکھا

سازِ قومی پر جو خطا ہر اُنکا ایسا ہو گیا — جو مخالف تھا وہ اپنی سُر میں دھیما ہو گیا
پیش تو میں نے بھی دل کو کر دیا پھر کیا اب — تھا عدو چالاک تر بالکل ہی قیما ہو گیا
ہے تلوّن میں مرا آئینہ رو ہمرنگِ چرخ — مہر طلعت دن کو شب کو ماہِ سیما ہو گیا
عشقِ قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے — لیڈروں کے مشورے سے جان بیما ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دِل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا
ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا
کیوں کبر و غرور اِس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا
بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

[۱] ایک قسم کا انگریزی کھیل

یہ سوز و گداز اِس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اُس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے اُبلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھُلی آثار و نشاں سب قایم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر اُمید کا تھا
جب سر سرِ عصیاں چلنے لگی اِس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اُس حور لقا کو گھر لائے ہو تمکو مبارک اے اکبر
لیکن یہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جواب شیخ میں یہ تو کبھی کہا جاتا
کہ وعظ ٹھیک ہے لیکن نہیں رہا جاتا

طمع نے دین کو کھویا جو ہوتے ہم قانع
کبھی نہ ہاتھ سے یہ دُرّ بے بہا جاتا

اُمید وصل جو ہوتی نہ جانفزا اکبر
بھلا یہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا

میں تو پوچھوں کیوں مرے مرنے پہ لوگ کہتے ہیں کیا
یہ کیا یقین کہ ہے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

ترا دل تو ہمیشہ امر خاطر خواہ چاہیگا
مگر ہوگا وہی اکبر کہ جو اللہ چاہیگا

غزل سننی ہو اکبر کی تو اسکو عذر ہی کیا ہے
مگر ہر شعر پر وہ انجمن میں واہ چاہیگا

کیسے وعدے تھے یہ اُس دل کے سر راہ جناب
آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی واہ جناب

میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت واہ جناب
نہیں کرتے مگر افزائش تنخواہ جناب

ابھی سو تک نہیں پہونچی مری تنخواہ جناب
آپ مجھکو نہ کہا کیجئے للّٰہ جناب

ووٹ بازی کے سوا رکھا ہی کیا ہے اسمیں
ممبری کے لئے کرتے ہیں عبث آہ جناب

بنتے جاتے ہیں غبارا وہ نئی روشنی کے
ہو ہی جائینگے ثریا حشم و ماہ جناب

سامنا اک نگہِ ناز کا ہے جان کی خیر
مہرباں اک بتِ عیار ہے ایمان کی خیر

یہہ تو زینت ہے کہ پہنے ہیں جڑاؤ بالے
یہہ قیامت ہے کہ اللہ مرے کان کی خیر

گوشۂ دامنِ لیلیٰ بھی ہے تر اشکوں سے
ہم یہی کہتے تھے مجنوں کے گریبان کی خیر

ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہونچوں اُن تک
یا مری خیر نہیں یا نہیں دربان کی خیر

ناز سے دامن اُٹھاتی تھی جو اپنا لیلیٰ
زیرِ لب کہتی تھی مجنوں کے گریبان کی خیر

آپ کے ناوکِ غمزہ کی توجہ ہو جدھر
موت ہے دل کی منائے جو کوئی جان کی خیر

ادب سبحہ و زنّار اُٹھا جاتا ہے
خیر ہندو کی نہ اب ہے نہ مسلمان کی خیر

ترکِ شیراز سے خوشتر ہیں بتانِ مغرب
ظاہرا اب نظر آتی نہیں ایران کی خیر

دل لگی دین کی باتوں میں عیاذاً باللہ
شیخ قرآن پڑھیں تم کہو شیطان کی خیر

اُسنے میدان میں سر دیکے کیا قوم کا نام
آپ بنگلے میں منایا ہی کئے جان کی خیر

پارٹی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت
قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر

اُس مس برقِ کلیسا کا ہے لکچر اکبر
آج تو علم بھی مانگے گا مسلمان کی خیر

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بیچین رکھنے میں
مصائب جان دیتے ہیں مرے حس کی ذکاوت پر

جمالِ لم یزل کی معرفت کیونکر میسر ہو
کہ حِس غالب ہے فانی انقلابوں کا طبیعت پر

یہہ غیرت دیکھئے ضبطِ فغاں ہے اسلئے مجھکو
کہیں نازاں نہ ہو تکلیف میری اپنی شدت پر

کس طرح پردے میں رہے اے شیخ عورت اکطرف
سارے خیالات اکطرف ملکی ضرورت اکطرف

مشرق کے واعظ اِکطرف مغرب کی زینت اِکطرف
عقلی دلیلیں اِکطرف اور دل کی رغبت اِکطرف

اسپنسروں کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق
کل تو بچارہ اِکطرف بابو کی جرأت اِکطرف

اکبر در بتخانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی اِکطرف اُس بت کی صورت اِکطرف

ذکرِ خدا یادِ اجل کافی ہیں اُسکے واسطے
میدان آخر اِکطرف اکبر کی ہمت اِکطرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہہ حِس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا اُبھرتے ہیں

مرا یہہ شعر اکبر ایک دفتر ہے معانی کا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حسن نہیں تو ترے دِل میں کچھ نہیں
لیلیٰ اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کارِ جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اک دل لگی ہے سعی میں حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتابِ خضرِ رہِ معرفت ہے تو
اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزا یہہ ہے کہ مرے دل میں کچھ نہیں

اُنکی سنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف
اوہام کے فسانہ باطل میں کچھ نہیں

افسانہ حُسن گل کا بڑی چیز ہے حضور
کہتے ہیں آپ شورِ عنادل میں کچھ نہیں

اِسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ
لیکن یہہ سب زبان پہ ہے دِل میں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا
حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دلکش بہت ہے افعیِ گیسوئے اختلاف
کونسل سے کیوں کہوں کہ ترے دِل میں کچھ نہیں

ستاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو اُن پر ہے جو اِس ستم پہ مرتے ہیں

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں
چشمِ بد دور کیا نگاہیں ہیں

ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

لطف چاہو اک بتِ نوخیز کو راضی کرو
نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو

لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہمان نواز
گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو

طاعت و امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو

نق زق و بق بق میں دنیا کے نہو اکبر شریک
چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جب مے کی طرف ہے پی نہ لو
دم نکل جانے کا اندیشہ تو ہے مجھکو مگر
بوسہ و سنبوسہ ارزاں بک رہے ہیں در پہ یں

مدرسہ مانع نہیں مسجد کا نوٹس ہی نہ لو
نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں ہچکی نہ لو
ہے کوئی جس سے کہوں ہم بھی نہ لو وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہوشربا راز کے ساتھ
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق
ہاں عطا کی ہے جنھیں چشمِ بصیرت حق نے
اس گلستاں میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا
پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوقِ چمن
دلِ رنگیں کے ابھرنے میں تصنع کیسا
سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر اے اکبر
نیچری سے کوئی الحاد کی پوچھے ترکیب

صوت سرمد تو ازل سے ہے اسی ساز کے ساتھ
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرداز کے ساتھ
انکے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ
سب کی سازش ہے اسی نرگسِ غماز کے ساتھ
ولولے دل کے گئے قوت پرواز کے ساتھ
فصلِ گل آتی ہے سامانِ خدا ساز کے ساتھ
قطعِ منزل بھی ہے مشروط تگ و تاز کے ساتھ
دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ کس اعزاز کے ساتھ

پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبر
کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نہ رکھیگا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے
تری تعلیم جو کچھ ہو ہمارا تو سبق یہ ہے

نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے
یہ سب فانی خدا باقی خودی تج کے خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجئے
پارک میں کیا جاؤں ہے وقتِ نماز

خیر میرے دل کو جلنے دیجئے
بابو صاحب کو ٹہلنے دیجئے

طفلِ دل کو الفتِ زلفِ بتاں اک کھیل ہے
خیر ہو ایماں کی یا رب کافروں سے میل ہے

مغربی چکر میں تفریحیں بھی ہیں ایذا کے ساتھ
امتیاز اسکا ہے مشکل پارک ہے یا جیل ہے

برکتیں ساکت۔ سعادت دم بخود۔ مذہب خموش
دل دعا سے بے خبر تدبیر ہی سے میل ہے

کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجواں
خضر کی حاجت نہیں ہمکو جہاں تک ریل ہے

وضع بدلی۔ گھر کو چھوڑا۔ کاغذوں میں چھپ گئے
چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب کھپ گئے

مٹ گئے نقش و نگارِ دیرِ فانی کے مگر
نام انھیں کا رہ گیا روشن جو ہر کو جپ گئے

دل کا ٹکڑا تو رہا باقی پئے راہِ خدا
ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت تیرے نپ گئے

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس ہی نہیں باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قربِ باری پر نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت بار یاں پیدا ہر مغرب کی
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی میں
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

آفتِ جاں ہے تجلیِ آتشِ رخسار کی
خیر ہو یا رب نگاہِ شوق سہل انکار کی

مست کر دیتی ہے مجھکو فصلِ گل میں بوئے گل
وجد میں لاتی ہے حالت سبزہ و اشجار کی

بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولوں کی بو
جسپہ سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی

قطرہ ہائے شبنمِ پاکیزہ پھولوں پر نہیں
سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی

ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حسن دوست
پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی

ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ
ہمنوائی چاہتا ہوں بلبلِ گلزار کی

مجھ کو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال
عارضِ گل سے خبر ملتی ہے روئے یار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

نکہت گلہائے شاخِ گل میں یہ مستی کہاں
اور ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

متعلق اُمورِ خاص

ڈاکٹر[۱] بینارڈ ہیں اپنے ہنر میں لاجواب — ہاتھ اُنکا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب
ہفت سالہ تھا مرض دم بھر میں زائل ہوگیا — آنکھ روشن ہوگئی جاتا رہا سارا حجاب
پانچ ہی دن میں نہ پٹی تھی نہ بستر کی وہ قید — حُسن کلکتہ تھا اور میری نگاہِ انتخاب
ڈاکٹر بینارڈ کو اللہ رکھے شاد کام — اور رہے خلقِ خدا انکے ہنر سے فیضیاب

مدرسہ آلٰہیات خوب ہے کان پور میں — قوم کی سچ جو پوچھئے خدمتِ واقعی یہہ ہے
حمدِ خدا کے غلغلے ہونگے بلند اب یہاں — اِسمیں ذرا بھی شک نہیں دین کی بہتری یہہ ہے
حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھکر — سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہہ ہے

عنبر[۲] فشاں ہوا ہے مُعطّر مکان ہے — کیوڑے کا یہہ عرق نہیں کیوڑے کی جان ہے
کیوڑہ پیئے گا پندرہ قطروں سے اک گلاس — اسکی یہی ہے جانچ یہی امتحان ہے
صنعتِ صانع کو دیکھ اِس روغنِ بادام میں — یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں

تاریخ وفات والدۂ سید عشرت حسین ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ع ماہ عید سنہ ۱۳۲۹ھ

مرا راحت رسان و محرم اسرار ما بودی — ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام غمخوار ما بودی ۱۹۱۰ع

[۱] حضرت مصنف مدظلہ العالی نے یہہ نظم حسب فرمایش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی۔ اسکا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہے۔ نواب سید محمد خاں صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری بنگال کے ذریعہ سے مراسلت ہوئی ۱۲ (۱۸ دسمبر ۱۹۰۹ع کو آپریشن ہوا تھا)

[۲] یہہ اشعار حضرت مصنف دام فیضہٗ نے حسب فرمایش شیخ محمد حسین صاحب سکندرپوری ضلع بلیا مصالحہ دار نظامت العالیہ مرشد آباد صدر دوکان ہنگراپٹی کلکتہ نمبر ۳ موجد بادامی روغن و شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑے کی تعریف میں موزوں فرمایا ۱۲ محمد عبد الرحمٰن قیس

مادہ تاریخ ولادت سید ہاشم سلمہ اللہ تعالی

ظہور بدر	تیغ فاتح
۱۳۱۷ھ	۱۸۹۹ء

مادہ تاریخ ولادت سید عقیل سلمہ ابن سید عشرت حسین سلمہ

محمد عقیل ابن عشرت

۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات جناب سید تفضل حسین صاحب پدر مصنف

چو شد واصل ذات رب ذات او	بجو سال تاریخش از ـ ذات رب ۱۳۰۲ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الہ آباد

اُنکے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم	سچ تو یہہ ہے لاکھوں ہی میں ایک تھے
سنئے الہامی یہہ تاریخ وفات	میر ہادی صلح جو تھے نیک تھے ۱۳۱۷ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحب راے — میر ہادی از جہاں مردانہ رفت

شد اہل بہشت میر ہادی

قطعات و مثنویات

مسلّم ہے جب سب کو اِلَّا قَلِیلاً — تو ہر علم ہے ذہنِ انساں میں ڈھیلا

مگر مست کرجاتا ہے ہوکے پیدا — اسی فیضِ فطرت سے کوئی رسیلا

مذاہب کی مستی حریفوں کی شوخی — رہیگی رچی یوں ہی دنیا کی لیلا

اَلا یا ایہا الساقی بدہ ووٹے[2] بمحفلہا — کہ سیٹ[1] Seat آساں نمود اول وے افتاد مشکلہا

رفیقاں سست و طاقت سلب و دولت صرف و دل بے چیں — چرا افتی بپیچ نامے دریں گرداب مشکلہا

رہِ پیچیدۂ سرِ حکومت بر تو نکشاید — مگر چوں مار کاہل حلقہ زن باشی دریں ملہا mill

عبث اے بے ہنر قربِ نشینِ مغربی خواہی — کہ جز دودے ترا حاصل نمیگردد ازیں ملہا

حکومت پارلیمنٹی نباشد اندریں کشور — ولے نیٹو بجنگ آید ہمیں از بہر کونسلہا

ہوس در سینہ می جوشد کہ جاں دہ اندریں منزل — خرد در گوشش می گوید کہ بر بندید محملہا

زحرصِ ممبری نقصاں پذیرد قوتِ ملت — بجائے قوم۔ آنز دخل یابد بر در دلہا

چو ذوقِ خدمتِ ملک است حاجت نیست با کونسل — بکن تحریر در اخبار و نطقے دہ بمحفلہا

اگر جوشِ مضامیں ہست در طبعِ بلیغ تو — بگو افسانہائے دردِ دل در شکل ناولہا

نمیگویم کہ موجِ شوقِ عزت ہست بے معنی — ہمی گویم نگہ دارید کشتیہا و ساحلہا

برآر از دل یکے دستِ دعا در حضرتِ باری — کہ تا بخشد دولت را امتیازِ حق و باطلہا

اگر حاکم کند ایما طلب کن ووٹ و خوش بنشیں — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

ہوسِ شہرت کا خر گزٹ زاں طرہ بکشاید — حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بمحفلہا

چو در کونسل رسی با صد ادب مشغولِ خدمت شو — مَتیٰ مَا تلقَ مَن تہوی دَعِ الدُّنیا وَاَہمِلہا

بے سبب زیں لائبریریہا[3] مرا اکراہ نیست — ہر کتابے را کہ بکشادیم بسم اللہ نیست

کورس را ہر سال تغیر ہست و باہم اختلاف — اتحادِ معنوی را سوئے دلہا راہ نیست

[1] نشست ممبری کونسل ۱۲، [2] ... [3] کتب خانہ

از مذاقِ مشرقی ہر طبع را بیگانگی — چیزے از مغرب بدلہا ہست و خاطرخواہ نیست
صف نشیناں چشم یاری میکنند از ہم دریغ — گو دلے کاں را دریں محفل جنونِ جاہ نیست
گشتہ ام مایوس ازیں انداز آغازِ شما — لا الٰہیت نمایاں ہست و الا اللہ نیست
صورتِ مذہب کہ می سازند تحسیں می کنیم — معنیٔ دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

برائے رسالہ زمانہ

جو اڈورڈ نے چھوڑا شاہی کا چارج — ہوئے جلوہ آرا شہنشاہ جارج
خوشی اِن کی ہے اور اُن کا الم — دو دل ہو رہی ہے زبانِ قلم
قصیدہ کہے یا کہ نوحہ لکھے — کدھر رُخ کرے کیا کہے کیا لکھے
لحد بھی ہے اور مسندِ جاہ بھی — مبارک سلامت بھی ہے آہ بھی
بڑے شور ایوانِ دولت میں ہیں — وہ تربت میں ہیں اور یہہ حیرت میں ہیں
شہنشاہ مرحوم تھے صلح جو — نئے امپرر ہیں بہت نیک خو
وفا و ادب سے ہے یہاں رابطہ — ہماری دعا ہے یہہ باضابطہ
خدا اُن سے خوش ہو انھیں دے فروغ — بڑھیں نیک اور بد رہیں بیفروغ
رہے تختِ برطانیہ برقرار — رہے ہند یونہیں اطاعت شعار
سنبھلیں جو رہتے ہیں غفلت میں مست — یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست
بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا — مسلسل ہے رفتارِ موجِ فنا
خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود — بلا ہے تو نعمت کا بھی ہے ورود
ہمیں است آئینِ چرخِ کہن — چہ خوش گفت سعدی شیریں سخن

یکے را چو پایاں رسد دورِ عہد
جواں دولتے سر برآرد ز مہد

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید
ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خودداری کی قید

ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آساں نہیں
منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں

تم میں وہ ضبطِ نظر اُنمیں وہ خودداری کہاں
رعبِ قومی مثلِ فاتح ملک پر طاری کہاں

اب رہی تعلیم۔ کون اس امر کا مفتوں نہیں
بیبیوں پر یہہ مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رکنے لگا
شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا
نہ وہ تقوی نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید

ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جواں
شرم مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید

نئے اندازِ عبادت ہیں نئی صورتِ عیش
رمضاں ساعتِ کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید

نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگِ جہاں
دورِ گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید

بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب
زہرہ ممبر ہوئیں ووٹر تھے جنابِ خورشید

دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
کچھ مناسب نہیں اسوقت میں ایسی تمہید

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی اُمید

نعرے تکبیر کے اسپر ہوئے یارو نہیں بلند
لڑکیاں بول اُٹھیں خود بہ طریقِ تائید

جب حکومت نہیں باقی تو یہہ غمزے کیسے
کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید

تم نے شلوار کو پتلون سے بدلا اے شیخ
پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبلِ ورید[1]

خود تو گیٹ پٹ کے لئے جان دئے دیتے ہو
ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید

لال جب خود ہی کنیسری[2] کا ہوا ہے بندہ
تو یہہ مینا رہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید

دولھا بھائی کی ہے یہہ رائے نہایت عمدہ
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید

درِ نظارہ مقفل رہے کب تک ہمپر
کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید

اکبر افسردہ شد از گرمیِ ایں طرزِ سخن
شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید

[1] رگِ گردن ۱۲ [2] ایک خوش الحان خوبصورت پردیسی چڑیا ۱۲

کھُل گئے در نہ رہا شاہد مشرق میں حجاب
غُل مچا ہر سے کا بول اُٹھے یہہ مغرب کے مرید

لِللّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دِن رہکے دہلی کی بہار
حُکم حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مزیّن اور مشین
پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل و تار

کیبر و سِین اور برق اور سٹر ولیم او تاریں
موٹر اور ایرو پلین اور جھگڑے اور اقتدار

مشرقی تُپّلوں میں تھی خدمتگزاری کی اُمنگ
مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر
زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار

بحرِ ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں
ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار

انقلاب دھر کے رنگین نقشے پیش تھے
تھی پئے اہل بصیرت باغِ عبرت میں بہار

ذرّے ویرانوں سے اُٹھے تھے تماشا دیکھنے
چشم حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار

مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام
حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار

جامے سے باہر نگاہ ناز فنا جانِ ہند
حدّ قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار

خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا
فکر ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار

دعوتیں۔ انعام۔ اسپیچیں۔ قواعدِ فوج کیمپ
عزّتیں خوشیاں۔ اُمیدیں۔ احتیاطیں اعتبار

پیش روشاہی تھی پھر ہز ہائنس پھر اہل جاہ
بعد اسکے شیخ صاحب اُنکے پیچھے خاکسار

میں نے مرشد سے کہا جاکر یہہ اکدن التماس
کار دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اُداس

[1] ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف مدظلہ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا معًا ایک مضمون اُنکے دل میں پیدا ہوا اور اُسی وقت یہہ اشعار موزوں کرکے لکھوا دئے ۱۲

[2] یہہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت حرج کے ساتھ چھپی۔

جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر / آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر

فلسفے نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ[1] / میری چشمِ طبع کو عارض ہے غربی کیٹریکٹ[2]

میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن[3] کیجیے / ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجیے

کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر / اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر

چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا / کٹ گیا وہ رنگ محسوسات کفر انگیز کا

پھر درِ دل پر مرے تقویٰ کی ٹٹی باندھ دی / آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربارِ دہلی الطرف لو کل مجالس الطرف / مرزا کا چم خم الطرف بدھو کی کھس کھس الطرف

راجا ہیں ہندی فربہی موٹر کی طینت آتشی / مرطوب و بارد الطرف اور حار و یابس الطرف

ہر چند دل کے نرم ہیں تاہم بہت سرگرم ہیں / سردی کا احساس الطرف اعزاز کا حس الطرف

پھر رنگ و بو یہ زینتیں یہ پُرتکلف صنعتیں / ہر گوشۂ کیمپ الطرف اور سارا پیرس الطرف

آنکھوں کو تم کھولو ذرا دیکھو تو یہ پولو ذرا / تیزی فرس کی الطرف اور نازِ فارس الطرف

جوبن پہ باغِ دہر ہے گلشن ہر اک سو شہر ہے / وا گوشِ گل ہے الطرف حیرت میں نرگس الطرف

چھوٹے ہیں سب کبر و منی ہے شانِ دہلی دیدنی / دلکش دکانیں الطرف بارعب آفس الطرف

سرکش کو فکرِ حفظِ جاں اکبر کا شورِ الاماں / سائنس کا زور الطرف حسنِ رخِ مس الطرف

جانِ جہانبانی ہیں یہ عظمت میں لاثانی ہیں یہ
ہفت آسماں ہیں الطرف اور جارج خامس الطرف

شاہِ کابل آں سراجِ ملت و روشن خرد / کرد نہضت از رہِ حکمت سوئے ہندوستاں

کول کالج را شرف بخشید از اسپیچ خویش / مرحبا گفت و دستِ فیض وا شد زر فشاں

مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز تحسینش و لے / مدحتِ ایں طائفہ بر قلبِ شیخ آمد گراں

---

[1] واقعہ [2] موتیابند [3] نجات ۱۲

گفت شاه از عیب ایشاں چشم پوشی میکند — یا فریبے خوردہ از زرّیں طباقِ میزباں

مسلک و اعمال ایشاں یکدو سالے دیدہ نیست — کے کند کشفِ حقیقت یکدو ساعت امتحاں

همدریں معنی سخن می گفت با طبع ملول — چوں بدید اندیشش کہ در بندِ غم ست ایں ناتواں

عاقلے فرمود قولِ شہ مفید ست و نکو — همنشیں خندید و گفت ایں مطلعِ حافظ بخواں

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیر ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

یہہ پوچھا شیخ سے بیٹے کہ کیئے کیا گذرتی ہے — یہہ سن انہیں سو دمیں ہیں نئے مقصود منظر ہیں

نہایت یاس و حسرت سے وہ بولے کیا کہوں تمسے — یہہ دو مصرعے سنو جن میں نہاں دفتر کے دفتر ہیں

نئی تعلیم کے مردے تو زندہ ہیں تماشو نہیں — پرانی وضع کے زندے مگر مردوں سے بدتر ہیں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں — اک آن میں سو طرف کو مڑتی دیکھیں

بھولی۔ خوش رنگ۔ چُست۔ نازک۔ پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری

پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار — تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار

جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم — وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم

گو تابعِ جوشش برق پروازی ہیں — دونوں کے خطوط طیر متوازی ہیں

کیونکر میں کہوں کہ یہہ نظر بندی ہے — اللہ اللہ کیا ہنرمندی ہے

اِن جانوروں میں گرل اسکول کہاں — فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں

کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیال انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگ عرفاں چڑھ جائے

نہ مسجد میں نظر آتے نہ رہتے ہیں محلوں میں — ترقی پا کے بس ملجاتے ہیں برگڈ کے گاؤں میں

یہی یورش رہی آزادی و تقلید بیجا کی — تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار نسلوں میں

جوشِ قومی کا تو اظہار ہے ہر شام و پگاہ
لب پہ الفاظ بہت خوب ہیں ماشاء اللہ

دیکھتا کچھ نہیں لیکن رزولیوشن کے سوا
بحث کچھ تم میں نہیں ہے اوولیوشن کے سوا

نہ وہ مسجد نہ جماعت نہ وہ طاعت نہ دُعا
نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ سبزہ نہ ہوا

نہ قناعت نہ توکل نہ وہ خود داری ہے
جاہ و شہرت کی تمنا میں گرفتاری ہے

کیا غرض مرکزِ تسبیح و دُعا قایم ہو
بس یہہ مطلب ہے کہ اک اپنی سبھا قایم ہو

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشین برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے

جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اُسکی چول بھی ہے

نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے
تمھاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے

خلل نہ شغل میں مدّ ھو کے ہے نہ حسّو کے
کہ شیخ سدّو بھی ہیں اور قدم رسول بھی ہے

عطا ہوئی ہے یہہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قال تو یاں اَقول بھی ہے

محلِ صلِّ علیٰ ڈاک و تار کی ہے روش
اگرچہ دل میں نہاں عظمتِ رسول بھی ہے

جگہہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبلی کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے

چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر ملول بھی ہے

طرح طرح کے بنالو لباس رنگا رنگ
علاوہ روئی کے ریشم بھی اور اول بھی ہے

اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن
کہ جسکو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے

شگفتہ پارک ہیں ہر سمت رہرووں کے لئے
نظر نواز ہے پتّی حسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اُسکے ڈیم فول بھی ہے

شکوہِ جلوۂ قیصر عیاں ہے
زمیں پر آج اُترا آسماں ہے

کرم فرما ہوا ہے شاہِ انگلینڈ
کہ جو شاہنشہِ ہندوستاں ہے

عظیم الشان ہے دربار دہلی
سراپا چشم ہر پیر و جواں ہے

چمک دکھلا رہا ہے ذرّہ ذرّہ — منوّر ہر سڑک اور ہر مکاں ہے

بپا کل ملک میں ہے جشنِ شادی — جدھر دیکھو مسرّت کا سماں ہے

تکلّف کی نہیں باقی کوئی حد — ہر اک سو صرفِ زر صرفِ زباں ہے

نہایت فخر مُلکِ ہند کو ہے — کہ اُسکا شاہ اُسکا میہماں ہے

مکنزی اور پیلومر کا ہے وہ لطف — کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے

الہ آباد کا یہ ہائی اسکول — اُنھیں کے دم سے رشکِ بوستاں ہے

خدا اِس عہد کو رکھے مسلسل — کہ حاصل نعمتِ امن و اماں ہے

کلکٹر کا بھی ہے دربارِ عالی — یہاں بھی خاطر ننکو میاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے — اُنکو الطاف گورنمنٹ کا گنجینہ ہے

جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق — قوم سے اُنکو بلا واسطہ لینے کا ہے شوق

دونوں راہوں میں ہے عزت بھی رکاکت بھی ہے — موقعِ مدح بھی ہے وجہِ شکایت بھی ہے

مستند دونوں ہیں ہو چال جو اغراض کیساتھ — دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و ناز کے ساتھ

شدتِ حرص سے ہاں سوئے رکاکت جو جھکے — غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا رُکنے سے رُکے

نہ اُچھل کود کا حاصل نہ تملّق کا اثر — بجز اسکے کہ گھڑدوڑ میں باہم لڑکر

خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے — کس مپرسی ہے تو ہو اُسکا خدا مالک ہے

امرِ طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لئے — ماسوا اِسکے جو ہے شغل ہے یاروں کے لئے

طلب رزق ضروری سے تو مجبوری ہے — اسکے آگے ہے جو کچھ اُس سے مجھے دوری ہے

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

جنگ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی
دہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں
بہت خوردا ے تھے سلطانِ سابق
ہوے رخصت وہاں سے اولڈ فیشن

نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی
ہوئی اب ہم کنارِ گنگ ٹرکی
رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی
ترقی اب کرے گی ینگ ٹرکی

بعض یہہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا وہ سنبل و گل رخصت
اب دل ہیں ہیں دوستانِ ٹرکی شاواں

ساقی رخصت وہ ساغرِ مُل رخصت
لو ہوگئے پانیر کے۔ عبدل۔ رخصت

لیکن بعض یہہ فرماتے ہیں

یلدیز سدِ راہ مخالف کنوں نماند
آں تیغ عقل و آں نگہِ پُر فسوں نماند

اندیشۂ حریف بحالِ زبوں نماند
سودا بہ جوش آمد و آں رنگ خوں نماند

چوں رخت خود بہ بست و برون از مقام شد
عبد الحمید گفت کہ ترکی تمام شد

آں فکر مصر و کابل و جاپان و چیں کجا
آں پالسی و آں نگہِ دور بیں کجا

آں خوض و التفات بئے کار دیں کجا
آں خاتمِ حمید کجا آں نگیں کجا

دردل گذار بیم بجائے اُمید شد

گوئی خلا بماند و خلافت شہید شد

بہت لوگ یہہ کہتے ہیں

مجھ پہ ہے تقلید واجب ہند کے دربار کی — راے میری ہے وہی جو راے ہے سرکار کی

کوئی انقلاب زمانہ کی یوں شکایت کرتا ہے

حالت ایں چیست کہ من پیش نظر می بینم — در پس کار بتاں فتح و ظفر می بینم
در حرم سوز دل و خون جگر می بینم — چرخ را وضع دگر رنگ دگر می بینم

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پراز فتنہ و شر می بینم

شاہ و سلطاں سے رعایا کی مروّت نہ رہی — پاس ملت نہ رہا دین کی غیرت نہ رہی
وہ عقیدے نہ رہے اور وہ حکومت نہ رہی — دل کا مرکز نہ رہا ہاتھ کی طاقت نہ رہی

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پراز فتنہ و شر می بینم

خار الحاد کو ہر گل سے یہہ کاوش کیسی — ترک ایماں کی دل خلق میں خواہش کیسی
کفر سے دعوئ اسلام کی سازش کیسی — اے فلک کیا یہہ تیرا رنگ یہہ گردش کیسی

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پراز فتنۂ و شر می بینم

اب تو رکھ دی گئی تہ کر کے ادب کی چادر — پہلے قبلہ تھے تو اب صرف ڈیرہ ہیں فادر
امر تعظیم کو اطفال نے سمجھا بادر[1] — ماؤں کو لینے کو ہر گز نہیں جاتیں تا در

دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

[1] دق کرنا

لہ دِق کرنا

غلط نامہ کلیات اکبر حصہ دوم اڈیشن دوم مطبوعہ ۱۹۱۶ع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱	اپنے	اپنی	۶۳	۱۱	نصیحت ایک نیک	نصیحتِ نیک
۱۷	۱۸	جبکہ	جب۔کہ	۶۴	۳	اُسکے	اُسکی
۲۸	۱۲	ترے	تری	"	۸	کَینا	مُنیا
۳۷	۱۷	ہو	ہوں	۶۵	۲	ظاہری	ظاہرہی
۴۳	۷	بیداد	بیدار	"	۲۱	جانفزائی گنگا	جانفزائی کو گنگا
۴۷	۱۹	بندے	بندر	۶۶	۲۱	سشیخ جی	سشیخ بھی
۵۶	۴	خدا	دعا	۶۷	۲۰	پردہ درد	پردہ درکو
۵۷	۶	پپیہہ	پپیا	۷۱	۱۰	سرکا	سرکیا
"	۲۰	پہ	پر	۷۴	۱۳	لیڈر	ریڈر
۶۱	۳	سمجھتا ہے نہ غیر	سمجھتا ہے نہ دیگر	۸۵	۱۷	بٹھلاتا ہے	ٹہلاتا ہے
۶۲	۳	بوجھ	پابوجھ	۸۷	۲	قریب المرگ	قریب مرگ
"	۷	بنے یوروپ میں	بنے جو یوروپ میں	"	۱۴	بڑھنے دو	بڑھنے دے
"	۲۱	یا پاینیر	یا پاینیر یا				